قیمت: پانچ روپے Rs. 5/-

ہفت روزہ
الجمعیۃ
نئی دہلی

جلد: ۳۴ شمارہ: ۳۱ ۳۰/جولائی تا ۵/اگست ۲۰۲۱ء — ۱۹/تا ۲۵/ذی الحجہ ۱۴۴۲ھ
Year-34 Issue-31 30 July - 5 August 2021 Page 16

امریکہ اور اس کے حلیف ملکوں کی افغانستان سے

واپسی

کیا افغانستان میں امن قائم ہو سکے گا؟

امریکہ اور ناٹو کی مسلح افواج کے افغانستان سے انخلاء کا عمل جاری ہے جبکہ اقتدار کے لیے افغان انتظامیہ اور طالبان کے درمیان رسہ کشی جاری ہے جو کبھی بھی جنگ کی شکل اختیار کر سکتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا ان حالات میں افغانستان میں امن قائم ہو سکے گا؟

محمد سالم جامعی

افغانستان گزشتہ تیس برسوں سے اپنی خودمختاری کے لیے چیخ و پکار کرتا رہا ہے۔ وہاں افغان بادشاہت کے خاتمہ کے بعد پہلے روس نے دس سال تک اس کا استحصال کیا اور جب امریکہ کے تعاون سے ہی سہی افغانستان سے روس کو راہِ فرار اختیار کرنا پڑی تو وہاں طالبان کی حکمرانی کا دور شروع ہوا جو تقریباً پانچ سالوں تک چلتا رہا جسے خود امریکہ نے القاعدہ سے جوڑ کر ختم کر ڈالا۔ اب گزشتہ دو دہائی سے افغانستان میں امریکی افواج کے زیر سایہ نام نہاد ایک جمہوری حکومت قائم ہے جو امریکی پالیسی کے مطابق کام کرتی ہے۔ افغانستان میں طالبان بھی حکمرانی کے دعویدار ہیں اور جب سے امریکہ بہادر نے وہاں سے فوجی انخلاء کا عمل شروع کیا ہے ان کی سرگرمیاں بھی کافی بڑھ گئی ہیں۔ افغان عوام بھی معدودے کچھ قبائل کو چھوڑ کر طالبان کے ہمدرد ہیں اور ان کی حکمرانی کو اپنے لیے نعمت خداوندی سمجھتے ہیں۔ طالبان کے دعوے کے مطابق دو تہائی افغانستان پر ان کا کنٹرول ہو چکا ہے۔ امریکہ اور اس کے حلیف ممالک بہت پہلے ایک تاریخ مقرر کر کے افغانستان کے انخلاء کا اعلان کر چکے ہیں جس پر انھوں نے عمل درآمد بھی شروع کر دیا ہے۔ امریکہ اور اس کے حلیف ملکوں نے افغانستان کو بیچ منجدھار میں چھوڑ کر اپنی پناہ گاہوں کی طرف کوچ کرنا شروع کر دیا ہے۔ امریکہ اور ناٹو ممالک کی مسلح افواج کی واپسی جاری ہے۔ اس دوران افغانستان میں وقوع پذیر ہو رہے واقعات افغانی عوام کے ساتھ ساتھ ایشیائی ملکوں کو بھی پریشان کر سکتے ہیں۔ (باقی صہ۴ پر)

اندر پڑھیے

• قوموں کا عروج و زوال ص۵ • سیلف ڈیفنس- ایک قانونی حق ص۸
• قرآن مجید پر عمل- ایک منفرد تجربہ ص۹ • شجر کاری- اسلام کی نظر میں ص۱۰

فرانس: جہاں فوج میں مسلمانوں کو احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ھے

نارمٹسو اونیشی

جنوبی لبنان میں واقع ایک فرانسیسی فوجی کیمپ کی مسجد میں وردی میں ملبوس چھ فوجیوں نے اس وقت اپنے سر جھکالیے جب ان کے امام نے قرآنی آیات سے مزین سفید دیوار کے سامنے نماز کی امامت شروع کی۔ حال ہی میں جمعہ کی نماز کی ادائیگی کے بعد چھ فرانسیسی فوجی جن میں پانچ مرد اور ایک خاتون شامل تھی، ملٹری کیمپ میں اپنی ڈیوٹی پر واپس آ گئے جہاں انھوں نے ماہ رمضان کے روزے رکھے تھے۔ وہ کبھی کبھار اپنے مسیحی ساتھیوں کے ساتھ مل کر بھی اپنا روزہ افطار کرتے تھے۔ ان کے اپنے وطن فرانس میں جہاں اسلام کو بطور مذہب معاشرتی طور پر کافی مشکل صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، پوری قوم منقسم ہے اور ان فوجیوں کے بقول یہاں اپنے مذہب پر عمل کرنا اتنا آسان نہیں ہے۔ ۳۱ سالہ سیکنڈ ماسٹر انوار، جو آج سے دس سال پہلے فوج میں شامل ہوا تھا اور فرانسیسی فوج کے قوانین کے مطابق اپنے نام کے پہلے حصے سے ہی پہچانا جاسکتا ہے، ماضی کے دو عشروں کے دوران جب مسلمان اپنی قوم میں ایک عظیم تر کردار ادا کرنے کے خواہاں تھے تو فرانسیسی حکام نے ملکی سیکولرازم کی روشنی میں اپنی طرف سے سرتوڑ کوشش جاری رکھی کہ سماجی زندگی میں اسلام کی ترویج کی راہ میں ہر ممکن رکاوٹیں ڈالی جائیں۔ ۲۰۰۴ء میں ایک قانون پاس کیا گیا جس کے تحت سرکاری اسکولوں میں عبایا کو مذہبی شعار کے طور پر پہننا ممنوع قرار دے دیا گیا اور آنے والے برسوں میں فرانس میں بسنے والے مسلمانوں کے ساتھ حکومت اور عوام کے طرزِ سلوک کے حوالے سے انتہائی تکلیف دہ بحث شروع ہوگئی۔ یورپ میں سب سے زیادہ مسلمان فرانس ہی میں آباد ہیں۔

فرانسیسی صدر ایمانویل میکرون کی طرف سے ایک نئے قانون کی توقع کی جارہی ہے جس کے بعد ملک میں موجود مساجد پر نہ صرف حکومتی کنٹرول زیادہ سخت ہوجائے گا بلکہ نئی مساجد کا قیام بھی مشکل تر ہوجائے گا تاہم فرانس کے ہی ایک اہم ادارے میں صورتِ حال اس کے بالکل برعکس ہے اور وہ ہے فرانسیسی فوج۔ فرانس کی مسلح فوج میں سیکولرازم کی لبرل تشریحات کی روشنی میں دیگر مذاہب کی طرح اسلام کے بارے میں بھی نرم اور معتدل جذبات پائے جاتے ہیں۔ ۲۰۰۵ء میں فرانسیسی فوج میں مسلمانوں کے امام کو بھی ایک پادری جیسا مقام اور احترام دیا گیا تھا۔ پورے ملک کے ساتھ ساتھ دنیا بھر میں واقع فوجی کیمپوں میں مساجد قائم کی گئی تھیں جن میں جنوبی لبنان کا دیر کیفا فوجی کیمپ بھی تھا جہاں اقوامِ متحدہ کے امن مشن پروگرام کے تحت مدد کے لیے فرانس کے ۷۰۰ فوجی تعینات ہیں۔ مسلمان فوجیوں کے لیے حلال کھانے کا بندوبست کیا جاتا ہے۔ اسلامی تہواروں کے موقع پر مسلمان فوجیوں کو چھٹی کی سہولت میسر ہے۔ کام کا شیڈول اس طرح ترتیب دیا جاتا ہے تاکہ فوج میں شامل مسلمانوں کو جمعہ کی نماز پڑھنے کا موقع مل سکے۔ فوج فرانس کا ایک ایسا قومی ادارہ ہے جہاں مسلمان فوجی دیگر مذہبی عقائد کے حامل اپنے عسکری ساتھیوں کے ساتھ بڑی کامیابی سے رچ بس گئے ہیں۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ باقی ماندہ فرانس میں بھی اسی ماڈل پر عمل کیا جاسکتا ہے۔ کئی تجزیہ کاروں نے اس کا موازنہ امریکی فوج کے ساتھ کیا ہے جو باقی ماندہ امریکی سوسائٹی سے آگے نکل گئی ہے جہاں سیاہ فام امریکیوں کے ساتھ مساوی سلوک روا رکھا جاتا ہے۔

ایک ایسا ملک جہاں حکومتی اداروں میں اپنے مذہبی خیالات کا اظہار ممنوع قرار دیا گیا ہو، جہاں اسلام کے ساتھ اپنی محبت کے اظہار کو سوسائٹی اور قوم کے اتحاد کے لیے ایک خطرہ سمجھا جاتا ہو، خاص طور پر اس وقت جب ۲۰۱۵ء میں یہاں مذہب کے نام پر متعدد بار حملے ہوئے ہوں، ایسے میں کسی فوجی کیمپ میں اسلام کے غیر متنازع مقام اور مرتبے کا اندازہ لگانا خاصا مشکل کام ہے۔ ۲۳ سالہ کارپورل لیلیا جس نے عبایا پہن کر اپنی جمعہ کی نماز ادا کی تھی، نے مجھے بتایا کہ جب میں نے اپنے والد کو یہ بتایا کہ ہمارے فوجی کیمپ میں ایک مسلمان عالم بھی ہے تو انھیں میری بات کا یقین نہ آیا۔ انھوں نے مجھ سے تین مرتبہ پوچھا کہ کیا میں یہ بات پورے یقین کے ساتھ کہہ رہی ہوں؟ ان کا خیال تھا کہ وہ عالم یقیناً کوئی کیتھولک یا پروٹسٹنٹ پادری ہوگا۔

۲۹ سالہ سارجنٹ اظہر نے بتایا کہ میں مسلمان ہونے کے ناتے امتیازی سلوک کا سامنا کرتے ہوئے جوان ہوا ہوں۔ جب میں فوج میں بھرتی ہونے سے پہلے ایک ریستوران میں کام کرتا تھا تو مجھے اپنے مذہبی عقائد پر عمل کرنے میں بہت زیادہ امتیازی سلوک کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ انھوں نے بتایا کہ فوج میں رہتے ہوئے میرے لیے اپنے مذہب پر عمل کرنا آسان ہوگیا ہے اور کوئی میری وفاداری پر شک بھی نہیں کرتا۔ چونکہ فوج میں ہر طرح کے لوگ ایک ساتھ رہنے پر مجبور ہوتے ہیں اس لیے باقی معاشرے کے مقابلے میں ہم ایک

۱۹۹۶ء میں لازمی فوجی خدمات کا اعلان کردیا گیا تھا اور جب ورکنگ کلاس کے علاقوں سے فوج میں بھاری تعداد میں بھرتیاں شروع ہوگئیں تو فرنچ نوآبادیوں سے آئے مسلمان تارکین وطن کے بچوں کی کافی تعداد فرانسیسی فوج میں نظر آنے لگی اور اب فرانس کی فوج میں ان کی تعداد پندرہ سے بیس فیصد تک جاپہنچی ہے جو فرانس میں مسلمانوں کی کل آبادی کے تناسب سے دو سے تین گنا زیادہ ہے۔

دوسرے کو زیادہ بہتر انداز میں جانتے اور سمجھتے ہیں۔ انھوں نے مزید کہا کہ فوج میں ہر مذہب، ہر رنگ اور ہر نسل کے لوگ ہوتے ہیں، اس لیے سب کو کھلے ذہن اور سوچ کے ساتھ اکٹھے رہنے کا موقع مل جاتا ہے مگر سویلین زندگی میں ایسا دیکھنے میں نہیں آتا۔

اس میں سب سے بنیادی کردار سیکولرازم کا ہے جس میں چرچ اور ریاست دونوں جدا جدا ہوتے ہیں اور عرصے سے یہ فرانس کے سیاسی نظام کی روایت رہی ہے۔ ۱۹۰۵ء کے ایک قانون کے تحت ہر مذہب کے پیروکاروں کو مساوی حقوق کی ضمانت حاصل ہے مگر جوں جوں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اسلام رومن کیتھولک کے بعد فرانس کا دوسرا بڑا مذہب بن گیا ہے اس لیے سیکولرازم اس بات کی ضمانت بن کر سامنے آیا کہ عوامی زندگی میں مذہب کا کوئی کردار نہیں ہوگا۔ حتیٰ کہ پورے فرانس میں کسی فرد کے مذہبی عقائد کو موضوعِ بحث بنانے کی اجازت نہیں ہے۔ سیکولرازم کے بارے میں ایک معروف مورخ فلپ پورٹیر کہتے ہیں کہ فرانس میں یہ وطیرہ رہا ہے کہ مذہب کو تمام سماجی عوامل کے مطابق ڈھال لیا گیا ہے خاص طور پر اسلام کا مقابلہ کرنے کے لیے سیکولرازم کی تعلیمات اور تشریحات کو استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس فوج میں ہر فوجی جوان کے مذہبی عقائد کو اپنے ادارے کی روایات اور چلن کے مطابق ڈیل کیا جاتا ہے۔ ان کا مزید کہنا تھا کہ تنوع کو قبول کیا جاتا ہے کیونکہ تنوع ہی ہمارے اتحاد اور یگانگت کی بنیاد بن سکتا ہے۔ دیگر فرانسیسی اداروں کے برعکس فرنچ آرمی میں یہ شعور پروان چڑھایا گیا ہے کہ اگر آپ فرد کے مذہبی عقائد اور نظریات کے ساتھ کمپرومائز نہیں کرتے تو معاشرے میں یگانگت اور رواداری کو فروغ دینا ممکن نہیں ہوگا، فوجی اہلکاروں کا کہنا ہے کہ سوسائٹی کے دیگر شعبوں کے برعکس ہم نے فوج میں سیکولرازم کو سیاسی رنگ دینے سے احتراز کیا ہے۔

لبنان کے دیر کیف فوجی کیمپ کے امام جین جیکس کہتے ہیں کہ درست اپروچ تو یہ ہے کہ سیکولرازم کو ایک نظریے کے بجائے ایک اصول کے طور پر لیا جائے۔ جب یہ نظریہ بن جاتا ہے تو ناگزیر طور پر معاشرے میں عدم مساوات کا باعث بنتا ہے۔ اسی فوجی اڈے کے مسیحی پادری کارمین کہتے ہیں کہ ہماری فوج اس بات کا ثبوت ہے کہ سیکولرازم اس وقت تک بہت اچھا کام کرتا ہے، جب تک اس کا غلط استعمال نہ کیا جائے۔ ان کے بقول ہم آج کل فرانس میں سیکولرازم کا اتنا ذکر کیوں کرتے ہیں؟ اس سے اکثر مسائل پیدا ہوتے ہیں۔

۲۰۱۹ء میں فرانسیسی وزارتِ دفاع کی ملٹری میں سیکولرازم کے بارے میں شائع ہونے والی ایک رپورٹ میں یہ تجزیہ پیش کیا گیا تھا کہ مذہبی آزادی فوج کی سماجی شناخت یا کارکردگی کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتی۔ معاشرے میں جس طرح سیکولرازم کی تشریح کی جاتی ہے اس کے برعکس یہ رپورٹ ایک ایسے پرامن سیکولرازم کو فروغ دیتی ہے جو ہر وقت خود کو ملک کے معاشرتی حقائق کے رنگ میں ڈھالنے میں مصروف رہتا ہے۔ وزارتِ دفاع میں ایک مشیر برائے عسکری اخلاقیات ایرک جرمین کہتے ہیں کہ فوج سیکولرازم کے جس لبرل ماڈل پر یقین رکھتی ہے وہ انٹیلیجنس اور فائن ٹیوننگ کا سیکولرازم ہے۔ فوج میں مسلمانوں کی شمولیت دراصل فرانس کی اسلامی دنیا کے ساتھ پیچیدہ تعلقات کی عکاسی کرتی ہے۔ پیرس میں قائم نیشنل کنزرویٹری آف آرٹس اینڈ کرافٹس کے مسلم اینڈ فرنچ ملٹری کے ایک ماہر ایلی مین سیٹول کہتے ہیں کہ فرانسیسی نوآبادیات سے تعلق رکھنے والے مسلمان نوجوان ۱۸۴۰ء سے فرانسیسی فوج میں بطور فوجی اپنی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ گزشتہ صدی کے شروع میں ایسے بہت سے اقدامات کیے گئے جن سے مسلمانوں کی مذہبی ضروریات پوری ہوسکتی ہوں۔ مثلاً فوج میں تین سال کے لیے ایک مسلمان امام کا تقرر ہوتا ہے تاکہ مسلمان فوجی باجماعت نماز ادا کرسکیں۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد فرانس کی نوآبادیات میں جنم لینے والی آزادی کی تحریکوں کی وجہ سے اسلام کے بارے میں ایک بداعتقادی کی فضا پیدا ہوئی جس کے نتیجے میں تمام کوششیں معطل ہوکر رہ گئیں۔

اس مسئلے کو ۱۹۹۰ء کی دہائی میں نظرانداز کرنا ممکن نہ رہا کیونکہ ۱۹۹۶ء میں لازمی فوجی خدمات کا اعلان کردیا گیا تھا اور جب ورکنگ کلاس کے علاقوں سے فوج میں بھاری تعداد میں بھرتیاں شروع ہوگئیں تو فرنچ نوآبادیوں سے آئے مسلمان تارکین وطن کے بچوں کی کافی تعداد فرانسیسی فوج میں نظر آنے لگی اور اب فرانس کی فوج میں ان کی تعداد پندرہ سے بیس فیصد تک جاپہنچی ہے جو فرانس میں مسلمانوں کی کل آبادی کے تناسب سے دو سے تین گنا زیادہ ہے۔ ایلی مین سیٹول کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے ساتھ روا رکھے جانے والے غیر منصفانہ سلوک نے مسلمان فوجیوں میں یہ احساس پیدا کردیا کہ انھیں سیاسی اور مذہبی طور پر امتیازی سلوک کا نشانہ بنایا جارہا (باقی صـ۱۴ پر)

دریچۂ پاکستان | **سلیم صافی**

نیا پاکستان، نئے اصول اور نئی تبدیلیاں

عمران خان تبدیلی کے لئے اقتدار میں لائے گئے تھے اور الحمدللہ اپنا وعدہ پورا کرکے وہ ہر طرف تبدیلی ہی تبدیلی لے آئے ہیں۔ اکثر تبدیلیاں ایسی ہیں کہ وہ ہمیں تاریخ میں پہلی بار دیکھنے کو مل رہی ہیں۔ مثلاً پرانے پاکستان میں صرف اپوزیشن احتجاج کیا کرتی تھی۔ وہ اسمبلی امور چلانے نہیں دیتی تھی لیکن حکومت صبر سے کام لے کر، منت سماجت کرکے پارلیمنٹ کو خوش اسلوبی سے چلانے کی کوشش کیا کرتی تھی تاہم تاریخ میں یہ پہلی بار ہوا کہ اب حکومتی اراکین اسمبلی کے اندر سیٹیاں بجاتے، نعرے لگاتے اور ہلڑبازی کرتے ہیں۔ یہ تبدیلی نہیں تو اور کیا ہے؟

اسی طرح پرانے پاکستان میں ہر ایشو پر ہر وزیر ایک سی رائے دیا کرتا تھا کیونکہ پارلیمانی نظام میں ہر وزیر کی رائے حکومت کی رائے سمجھی جاتی ہے تاہم نئے پاکستان میں وزیراعظم پارلیمنٹ کے فلور پر کہتا ہے کہ اسامہ بن لادن شہید ہے۔ ان کے وزیر خارجہ نہ ان کو شہید کہتے ہیں اور نہ دہشت گرد، وہ خاموشی اختیار کرکے پوری دنیا کو حیرت زدہ کردیتے ہیں لیکن وزیر اطلاعات جو حکومت کے ترجمان بھی ہیں، اسامہ بن لادن کو دہشت گرد قرار دیتے ہیں۔ گویا جتنے منہ، اتنی پالیسیاں۔ اب کیا یہ معمولی تبدیلی ہے؟ پرانے پاکستان میں کشمیر کو سب سے زیادہ اہم اور سنجیدہ ایشو سمجھا جاتا تھا اور کشمیر سے متعلق ہر منصب سنجیدہ ترین اور بڑے قد کے لوگوں کے سپرد کیا جاتا تھا لیکن نئے پاکستان میں کشمیر کی وزارت علی امین گنڈاپور کے سپرد ہے جن کو یہ بھی علم نہیں کہ کلبھوشن یادو پاکستان میں ہے یا نہیں۔ انہیں یہ تک علم نہیں کہ عالمی عدالت انصاف کیا ہے اور کہاں واقع ہے حتیٰ کہ ٹی وی پر بیٹھ کر فرماتے ہیں کہ کلبھوشن یادو کو نوازشریف نے بھگا دیا ہے۔ کیا یہ معمولی تبدیلی ہے؟

پرانے پاکستان میں جب کسی وزیر مشیر کی نااہلی ثابت ہوجاتی تھی، تو پھر اس کی مستقل چھٹی ہوجاتی تھی لیکن نئے پاکستان میں کچھ عرصہ بعد اس کو دوبارہ اس سے اہم وزارت مل جاتی ہے۔ مثلاً اسد عمر کو ہٹا کر عمران خان نے عملی ثبوت دیا کہ وہ اس منصب کے لئے نااہل ہیں لیکن چند ماہ کے بعد ان کو دوبارہ اور اس سے بھی اہم یعنی پلاننگ کی وزارت دے دی جس طریقے سے اسد عمر کو بے توقیر کرکے رخصت کیا گیا، اگر پرانے پاکستان کے باسی ہوتے تو زندگی بھر پھر اس وزیراعظم اور اس حکومت کے قریب بھی نہ جاتے کیونکہ پرانے پاکستان میں شرم و حیا بھی ہوا کرتی تھی۔ جب اسد عمر کو ہٹایا گیا تو اگلے روز جیو نیوز کے پروگرام رپورٹ کارڈ میں ایک تجزیہ کار نے تجزیہ کیا کہ اسد عمر اس بےعزتی کے بعد پی ٹی آئی میں نہیں رہیں گے لیکن اس طالب علم نے رائے دی کہ وہ کہیں نہیں جاسکتے اور اسی تنخواہ پر کام کریں گے کیونکہ عمران خان اور ریاستی سرپرستی کے بغیر وہ یونین کونسل کے رکن بھی نہیں بن سکتے۔ بدقسمتی سے میری وہ رائے درست ثابت ہوئی اور کچھ عرصہ بعد منت سماجت کرکے انہوں نے دوبارہ وزارت حاصل کرلی۔ اب کیا یہ معمولی تبدیلی ہے؟

اسی طرح پرانے پاکستان میں غیرملکی شہری ایم پی اے، ایم این اے بھی نہیں بن سکتے تھے کیونکہ پاکستانی قانون میں یہ واضح طور پر لکھا گیا ہے کہ غیرملکی شہریت کے حامل لوگ اسمبلی، سینیٹ یا پھر صوبائی اسمبلی کے ممبر نہیں رہ سکتے لیکن عمران خان نے نصف درجن امریکی اور برطانوی شہریت کے حامل افراد کو سرکاری مناصب دیئے۔ پرانے پاکستان میں دوست عرب ملکوں کا اقامہ رکھنا بھی ناقابلِ معافی جرم تھا۔ ملک کے وزیراعظم نوازشریف کو دوست عرب ملک کے اقامہ کی بنیاد پر نااہل کردیا گیا جبکہ خواجہ آصف اور احسن اقبال کے خلاف صرف اس بنیاد پر عمران خان غداری کا مقدمہ بنانا چاہتے تھے۔ دوسری طرف برطانیہ اور امریکہ کی شہریت کے حامل لوگوں کے ذریعے امریکہ، برطانیہ، سعودی عرب، ایران اور اسرائیل جیسے ممالک کے ساتھ حساس معاملات کو ڈیل کیا جارہا ہے۔ ہمیں کہا جارہا ہے کہ یہ ففتھ جنریشن وار اور سائبر وار کا دور ہے اور یہ کہ پاکستان اس وقت ان محاذوں پر حملوں کی زد میں ہے لیکن غیرملکی شہریت کی حامل ایک خاتون کو لاکر ہمارے ہاں ڈیجیٹلائزیشن کے معاملات ان کے سپرد کئے گئے۔ پرانے پاکستان میں کوئی وزیراعظم ایسا کرتا تو پاکستان کے اصل حاکم انہیں سیکورٹی رسک ڈکلیئر کرکے باہر پھینک چکے ہوتے لیکن نئے پاکستان میں اس کا نوٹس ہی نہیں لیا جارہا۔ اب کیا یہ معمولی تبدیلی ہے؟

پرانے پاکستان میں اگر کسی حکومتی عہدیدار کو کسی الزام کے تحت فارغ کیا جاتا تو پھر اس کے معاملات کی تحقیقات بھی ہوتیں لیکن یہاں افتخار درانی کو ایجنسیوں کی رپورٹس کی بنیاد پر فارغ کیا گیا لیکن آج تک قوم نہیں جانتی کہ انہیں فارغ کیوں کیا گیا؟ قوم کو کچھ پتہ نہیں کہ انیل مسرت وزیراعظم کے آگے پیچھے کیوں نظر آتے تھے اور پھر کیوں غائب ہوئے؟ ندیم بابر کو غیرملکی شہریت کے باوجود مشیر کیوں بنایا گیا تھا اور کیوں فارغ کیا گیا؟ پرویز مشرف، نوازشریف اور زرداری کی حکومتوں میں مزے لوٹنے والے یوسف بیگ مرزا کو حکومتی عہدہ کیوں دیا گیا۔ پھر انہیں کیوں فارغ کیا گیا اور اب ایک بار پھر وہ بغیر سرکاری نوٹیفیکیشن کے کس حیثیت میں وزیراعظم ہاؤس میں بیٹھ کر میڈیا کے معاملات دیکھ رہے ہیں۔ پرانے پاکستان میں گرمی میں بجلی کی قلت ہوا کرتی تھی اور سردی میں گیس کی لیکن نئے پاکستان میں ہم نے سردی میں بھی بجلی کی لوڈشیڈنگ دیکھی اور اب گرمی میں گیس کی لوڈشیڈنگ دیکھ رہے ہیں۔ ایک طرف ہمیں وزیر مشیر بتا رہے ہیں کہ نوازشریف حکومت نے پاور پلانٹس لگا کر اتنی زیادہ بجلی پیدا کی ہے کہ اگلے دس سال بھی ان کو پوری طرح استعمال میں نہیں لایا جاسکتا لیکن دوسری طرف پورے ملک میں لوڈشیڈنگ نے عوام کا جینا حرام کردیا ہے۔ اب کیا یہ معمولی تبدیلی ہے؟

ہفت روزہ الجمعیۃ نئی دہلی
شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

کووڈ ۱۹ مہلوکین کو معاوضہ دینے سے حکومت کے انکار پر

عدالت عظمیٰ کی سرزنش

کووڈ-۱۹ کا بھوت جیسے ہی ووہان کی لیباریٹری سے باہر آیا اور پھر آناً فاناً ہی اس نے پوری دنیا کو اپنی گرفت میں لے لیا تو دُنیا کے ہر ملک کی حکومت نے متاثرین ہی نہیں عوام کے لاک ڈاؤن میں پھنسے رہنے کی وجہ سے اپنے اپنے ملک کے تمام شہریوں کے لیے نقد راحت دینے کا اعلان کیا جس سے ملک کے شہریوں کو آرام کے ساتھ لاک ڈاؤن کا وقت گزارنے میں کافی مدد ملی تاہم ہندستان کی مودی حکومت نے عوام کے مطالبات کے باوجود اس تعلق سے نہ صرف یہ کہ کوئی پیش قدمی نہیں کی بلکہ اسے اپوزیشن کا منہ بھرائی کا پروپیگنڈہ قرار دے کر یکسر مسترد کردیا۔ کافی عرصہ گزر جانے کے بعد حکومت نے کمپنیوں اور تجارتی اداروں کو فائدہ پہنچانے کے لیے ریلیف کے نام پر کم سود والے قرض کا اعلان کیا جس سے صرف تجارتی گھرانے ہی فائدہ اُٹھا سکے۔ ظاہر ہے ملک کے عوام کو اس پر توجہ دینا ہی تھا۔ حد کی بات تو یہ ہے کہ کورونا سے مرنے والوں تک کو حکومت نے معاوضہ دینے سے انکار کرڈالا جس پر عدالت عظمیٰ نے شہری بنام حکومت ہند مقدمہ میں سماعت کرتے ہوئے حکومت کی نہ صرف سرزنش کی بلکہ صاف صاف کہا کہ ”یہ آپ کی ذمہ داری ہے کہ آپ راحت کا کم سے کم پیمانہ بنائیں۔ اس طرح کا کچھ بھی ریکارڈ میں درج نہیں ہے جس سے معلوم ہوسکے کہ کووڈ سے متاثرین کے لیے ایسی راحت اور معاوضہ کا کوئی ضابطہ جاری کیا ہو۔ آپ اپنی دستوری ذمہ داری نبھانے میں ناکام رہے ہیں۔“

کووڈ-۱۹ سے اموات کی تعداد چار لاکھ پہنچنے سے پہلے سپریم کورٹ نے گزشتہ ماہ عوام کو راحت دینے سے حکومت کے انکار پر یہ سرزنش کی جس راحت کو دینے کے لیے حکومت کو خود ہی قدم اُٹھانا چاہیے تھا۔ اس کے لیے ملک کے شہریوں کو عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانا پڑا اور شہری بنام حکومت ہند کی بحث میں یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ کورونا کے تعلق سے ہماری حکومت کتنی غیر حساس رہی ہے۔ کورونا کی پہلی لہر میں پوری دُنیا نے ہندستان کی سڑکوں پر پیدل چلتے ہوئے مزدوروں کو دیکھا۔ ریل کی پٹریوں پر مزدوروں کی لاشوں کے بغل میں روٹیوں کا منظر ہم سب ابھی تک بھی فراموش نہیں کرپائے ہیں۔ بھٹکتی ہوئی ریل اور اس میں مرتے ہوئے مسافروں کی چیخیں ابھی بھی کانوں میں گونج رہی ہیں۔ یہ سب تو پہلی لہر کی کہانی ہے۔

کورونا سے ہوئی اموات پر سپریم کورٹ نے اہم فیصلہ دیتے ہوئے کہا ہے کہ جان گنوانے والے لوگوں کے پسماندگان معاوضہ کے حقدار ہیں۔ کورونا کو آفات کی روک تھام ایکٹ کے تحت آفت بتایا گیا ہے۔ ایکٹ کے تحت معاوضہ دینا حکومت کی ذمہ داری ہے اور وہ اس سے منع نہیں کرسکتی۔ اس سے پہلے مرکزی حکومت نے عدالت میں دیئے اپنے حلف نامہ میں کہا تھا کہ کورونا قدرتی آفات کے زمرہ میں نہیں آتا اور اس کے معاوضہ سے اس پر بھاری معاشی بوجھ پڑ جائے گا۔

کورونا کی پہلی لہر میں ہونے والی تباہی کے دوران بھی حکومت اور عدلیہ میں نوک جھونک چل رہی تھی۔ حکومت کے وکلاء ان لوگوں کو گدھ قرار دے رہے تھے جو سڑکوں پر چلتے ہوئے مزدوروں کی تصویریں لے کر ویڈیو بنا رہے تھے۔ اس سب کے بعد ہی کمزور طبقہ کے لوگوں کی مدد کے لیے چند معمولی اسکیمیں بنیں۔ تحفظ خوراک قانون کے تحت بھی کچھ غریب طبقوں کو مدد ملی۔ کچھ نقد رقم بھی ٹرانسفر کرنے کی اسکیمیں شروع ہوئیں۔ ظاہر ہے پہلی لہر میں تو غریب طبقہ کے پاس کھونے کے لیے کچھ بھی نہیں رہا تھا لیکن دوسری لہر کے بعد سب سے بری حالت اس متوسط طبقہ کی ہوئی جس کے پاس نہ تو راشن کارڈ ہے نہ وہ کسی طرح کی عوامی فلاحی اسکیموں کا حصہ ہیں۔ پہلی لہر میں روزگار میں سستی کے بعد دوسری لہر میں متوسط طبقہ کے پاس جان بچانے کا بڑا چیلنج تھا۔ جبکہ متوسط طبقہ کو راحت رسانی کے لیے حکومت کے پاس کوئی پیکیج اور کوئی ٹھوس اسکیم تک نہیں تھی۔ پہلی لہر کے وقت جو راحت کی بات ہوئی وہ بھی ای ایم آئی اور مختلف طرح کے بینک قرضوں سے متعلق تھی جو لوگوں کے لیے مزید معاشی بوجھ بن گئی۔ بینک قرض پر اپنی زندگی بہتر بنا چکے لوگوں کے لیے کوئی اسکیم اس شکل میں نہیں آئی کہ انھیں فوری مدد مل سکتی۔ اس سے نبرد آزما ہوتے ہی کورونا کی دوسری لہر بھی خطرناک اور وسیع پیمانے پر آگئی۔

کورونا کی دوسری لہر نے مڈل کلاس کی صحت اور اخراجات پر زبردست دباؤ ڈالا۔ وہیں غریب طبقہ تو اسپتال تک بھی نہیں پہنچ پایا۔ ندیوں کے کنارے دفنائی گئی لاشوں نے اس بہت بڑے سچ سے پردہ اُٹھادیا جس پر ہم آنکھیں بند کیے ہوئے تھے۔ غریب طبقہ کے لوگوں نے خاموشی سے اس موت کو قبول کرلیا جو سرکار کی ناکامی کی دین تھی لیکن متوسط طبقہ نے اپنی زندگی بچانے کے لیے آخری سانس تک مشقت کی۔ وہ اسپتال گیا اور وہاں اتنا خرچ ہوا کہ معاشی طور پر ٹوٹ گیا۔ بہت سے گھروں میں لاکھوں خرچ کرنے کے بعد بھی واحد کمانے والے شخص کی زندگی نہیں بچ سکی۔

اب سوال یہ ہے کہ ان سب حالات میں حکومت کا کیا رول رہا۔ جس گھر میں والدین انتقال کرگئے ان کے یتیم بچوں کا کیا ہوگا۔ دہلی، کرناٹک اور بہار کی حکومتوں نے وزیراعلیٰ راحت فنڈ کے ذریعہ راحت رسانی کا کام شروع بھی کیا۔ کچھ ریاستی حکومتوں نے اپنی طرف سے چھوٹے پیکیج بھی دیئے لیکن ملک کے مرکزی پالیسی سازوں نے ان اقدامات کو بھی یہ کہتے ہوئے بے حوصلہ بنادیا کہ یہ عملاً ٹھیک نہیں ہیں۔ دلیل یہ تھی کہ اس سے پہلے ہی بدحال ہوئی معیشت کا اور براحال ہوجائے گا۔ انھیں ڈر تھا کہ ایک بار اس پٹارے کو کھولنے کا مطلب یہ ہے کہ غیر معینہ مدت تک اسے جاری رکھنا ہوگا اور ایک بار اسے شروع کرنے کے بعد روکنا ممکن نہیں ہوگا۔

معاوضہ پر حکومت کے انکار کی بڑی وجہ اس وبا سے متعلق غیر یقینی صورتحال تھی۔ یہ وبا آئندہ کب اور کیسی شکل اختیار کرے گی کوئی نہیں جانتا اس لیے جتنے لوگوں کی ابھی تک موت ہوچکی ہے اسے آخری نہیں مانا جاسکتا۔ اب حکومت کے سامنے دو راستے ہیں، یا تو وہ عوام کے لیے رعایتی صحت پروگرام جلد سے جلد تیار کرے جس کے لیے اسے گاؤں کے ابتدائی مرکز سے لے کر ضلعی مرکز سے ہوتے ہوئے ریاستی سطح تک بڑے اسپتال بنانے کی اسکیم پر کام کرنا ہوگا۔ تب ہی اتنی بڑی وبا کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے، مگر چونکہ نوے کی دہائی سے ہی مرکزی حکومتوں کی پالیسی پرائیوٹائزیشن کی بن گئی ہے تو ظاہر ہے وہ اس پر اتنے بڑے پیمانے پر سرمایہ کاری کے لیے تیار نہیں ہوگی اور شاید یہی وجہ ہے کہ ہماری مرکزی حکومت نے صحت خدمات کے متبادل کے طور پر ان میں سرمایہ کاری کے بجائے بیمہ پر مشتمل نظام کے قیام کو ترجیح دی ہے، اس کا کہنا ہے کہ غریب طبقہ آیوشمان یوجنا کے ذریعہ اور متوسط طبقہ بازار پر مشتمل بیمہ سے اپنے لیے خود صحت کا انتظام کرے۔

کورونا میں آیوشمان یوجنا سے جنوبی ہند میں تو کسی قدر راحت ملی لیکن شمالی ہند میں یہ اسکیم ناکام ہی رہی جبکہ صارف طبقہ کا خطاب پانے والے متوسط طبقہ کے لیے ایک طرف تو آمدنی کے مواقع کم ہوئے اور دوسری طرف صحت سے متعلق فکرمندی کا بے انتہا بوجھ اس کی جیب پر آگیا حالانکہ حکومت اپنی پالیسی سے پیچھے ہٹنا نہیں چاہتی لیکن عوام کی اس تشویش پر گفتگو سب سے ضروری ہے۔ یہ ایک سچائی ہے کہ وبا کا مقابلہ بغیر سرکاری سرمایہ کاری کو بڑھائے نہیں کیا جاسکتا۔ اسی لیے انسانی بنیاد پر عدالت حکومت سے کہہ رہی ہے کہ وہ اپنی عوامی بہبود کے فرض اور اس کے قوانین کا پالن کرے جبکہ حکومتوں کا رجحان تین دہائی پہلے ہی عوامی فلاح و بہبود سے ہٹ چکا ہے۔ ہمارے خیال میں کورونا سے اموات پر معاوضہ نہ دینے کی جدوجہد اسی پالیسی کا حصہ ہے۔

اس موقع پر ہمیں نئی نرم روی کی پالیسی کے لیے مسیحا کہے جانے والے امریکہ اور یورپ کی طرف بھی دیکھنا چاہیے۔ کورونا کے بعد وہ اپنے یہاں عوامی بہبود کی اسکیم لے کر آئے۔ اپنی معیشت کو بچانے کے نام پر امریکہ نے صحت کے تعلق سے بڑے بڑے پیکیج جاری کیے۔ عوام کو براہِ راست نقد رقومات منتقل کی گئیں جبکہ اپنے ملک میں فوری راحت رسانی کے لیے اگر کچھ ریاستی حکومتوں نے کوئی اسکیم لانے کی کوشش بھی کی تو اسے معاشی پالیسی کے نام پر بے حوصلہ کردیا گیا اس لیے اب اخیر میں عدالت کو مداخلت کرنی پڑی ہے۔ عدالت نے معاوضہ کی رقم طے نہیں کی ہے لیکن اس کی وجہ سے راحت اسکیم تو لانا ہی ہوگا۔ عوام کی خالی جیب اور بھوکے پیٹ کے ساتھ کوئی معیشت مضبوط نہیں ہوسکتی ہے۔ سڑک پر مزدور سے لے کر ویکسی نیشن تک میں عدالت کو دخل دینا پڑ رہا ہے۔ جب عوام میں کہرام مچا ہے تو حکومت کو خود ہی اس طرح کا راحت پیکیج لانا چاہیے تھا۔ کوئی بھی سرکاری فنڈ یا خزانہ ملک کے شہریوں سے بڑا نہیں ہوسکتا۔ سرکاری خزانہ بھی انھیں عوام کی کمائی سے بھرتا ہے جن سے ووٹ لے کر آپ پانچ سالوں کے لیے ان کے مالک بن جاتے ہیں۔ اس طرح کا معاوضہ شہریوں کا حق ہے اور اس کے لیے اگر عدالت میں انکار اور سرزنش کی کارروائی ہو تو اس سے زیادہ بدقسمت صورتِ حال اور کیا ہوسکتی ہے۔ ◻◻

امریکہ اور اس کے حلیف ملکوں کی افغانستان سے واپسی

صفحہ اوّل کا بقیہ

کیا افغانستان میں امن قائم ہوسکے گا؟

غیر ملکی افواج کی واپسی کے ساتھ ہی طالبان نے اپنے حملے تیز کردیئے ہیں اور اس طرح کئی علاقوں کو افغان فوج سے چھین لیا ہے، اس سے اب طالبان کی حکمت عملی بھی واضح ہوگئی ہے۔ طالبان نے کافی ہوشمندی سے دوحہ امن بات چیت کو سست رکھا۔ دوحہ میں بات چیت ابھی رکی ہوئی ہے۔ طالبان کی بڑھتی ہوئی طاقت سے پاکستان خوش ہے جبکہ چین اور ایران اس سے پریشان ہیں، اسی

افغانستان کے موجودہ حالات ۲۰۰۱ء کے حالات سے مختلف ہیں۔ بیس سال پہلے افغانستان میں امریکہ اور اس کے حلیف ناٹو ممالک کا جو جوش و خروش نظر آرہا تھا وہ اب مایوسی میں بدل چکا ہے۔ افغانستان میں بیس سالوں سے اقامت پذیر امریکہ کی پوزیشن ہر اعتبار سے کمزور ہوگئی ہے۔ اس دوران بڑی تعداد میں امریکی فوجی مارے گئے۔ افغانستان کی مہم پر اب تک فوجی اخراجات نے امریکی معیشت کو بھی بری طرح نقصان پہنچایا ہے۔ امریکہ یہ اچھی طرح سے سمجھ چکا ہے کہ افغانستان کی سرزمین پر بھی اس کا وہی حال ہورہا ہے جو ویت نام اور عراق میں ہوا تھا اور آخر کار ان ملکوں میں سے بھی اسے اپنا بوریا بستر سمیٹنا ہی پڑا تھا، اس لیے امریکہ افغانستان سے بچ کر بھاگ نکلنے کی پالیسی پر گامزن ہے۔

لیے افغانستان امن عمل میں ایران اور چین بھی سرگرم نظر آنے لگے ہیں کیونکہ دونوں ممالک کو الگ الگ وجوہات کی وجہ سے پاکستان کے زیر اثر طالبان پر بھروسہ نہیں ہے۔

افغانستان کے موجودہ حالات ۲۰۰۱ء کے حالات سے مختلف ہیں۔ بیس سال پہلے افغانستان میں امریکہ اور اس کے حلیف ناٹو ممالک کا جو جوش وخروش نظر آرہا تھا وہ اب مایوسی میں بدل چکا ہے۔ افغانستان میں بیس سالوں سے اقامت پذیر امریکہ کی پوزیشن ہر اعتبار سے کمزور ہوگئی ہے۔ اس دوران بڑی تعداد میں امریکی فوجی مارے گئے۔ افغانستان کی مہم پر اب تک فوجی اخراجات نے امریکی معیشت کو بھی بری طرح نقصان پہنچایا ہے۔ امریکہ یہ اچھی طرح سے سمجھ چکا ہے کہ افغانستان کی سرزمین پر بھی اس کا وہی حال ہورہا ہے جو ویت نام اور عراق میں ہوا تھا اور آخر کار ان ملکوں میں سے بھی اسے اپنا بوریا بستر سمیٹنا ہی پڑا تھا، اس لیے امریکہ افغانستان سے بچ کر بھاگ نکلنے کی پالیسی پر گامزن ہے۔

اس وقت افغان حکومت کافی مجبور نظر آرہی ہے۔ افغان فوج کمزور پڑ چکی ہے۔ اب تک تو اسے امریکی افواج کی طرف سے طاقت ملی ہوئی تھی، نہایت جدید ہتھیار تھے اور ساتھ ہی امریکی افواج کی موجودگی سے حوصلہ بھی بنا ہوا تھا۔ یہ حوصلہ اب ٹوٹ چکا ہے۔ طالبان کے خلاف لڑنے کے بجائے افغان افواج خود کو بچانے کے لیے دوسرے ممالک میں بھاگ رہی ہیں یا پھر طالبان کے ساتھ ہی ملنے کی کوشش کررہی ہیں۔ اس سے طالبان مجاہدین کی طاقت مزید بڑھ رہی ہے۔ طالبان کا دعویٰ ہے کہ اس نے ملک کے دوتہائی اضلاع پر پوری طرح سے کنٹرول کرلیا ہے اس لیے اب آنے والے دنوں میں طالبان اور افغان فوجوں کے درمیان جنگ مزید تیز ہوگی۔ اس خطرے سے اب کوئی انکار نہیں کرے گا کہ اب طالبان کے خودکش حملے بڑھیں گے اور اس تشدد میں کافی تعداد میں بے گناہ شہری مارے جائیں گے۔ ان حالات میں افغانستان میں طویل خانہ جنگی بھی ہوسکتی ہے۔ اگر اس میں پڑوسی ممالک نے مداخلت کی تو طالبان کی بھی مشکلات بڑھیں گی۔ کئی مقامات پر وہاں کی افغان

چین بھی افغانستان میں سرگرم ہوگیا ہے۔ وہ اپنے مفادات دیکھ رہا ہے۔ چین کے خودمختار علاقہ شین جیانگ میں سرگرم ایغور شدت پسندوں کے طالبان اور القاعدہ سے نزدیکی تعلقات ہیں۔ چین کی سرحد بھی افغانستان سے ملتی ہے اس لیے چین کو بھی اندیشہ ہے کہ اگر طالبان کابل کو کنٹرول کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں تو ایغور شدت پسندوں کا حوصلہ بڑھے گا۔ چین افغانستان میں فوجی اڈہ قائم کرنے پر بھی غور کررہا ہے۔ اس کے علاوہ وہ افغانستان میں اقتصادی سرمایہ کاری مزید تیز کرنے کی اسکیم پر کام کررہا ہے۔ دراصل طالبان چین کی سب سے اہم پروجیکٹ بیلٹ اور روڈ کی پہل میں رکاوٹ بن سکتے ہیں۔ ان حالات میں افغان حکومت، طالبان اور خود کے مفادات کو سامنے رکھ کر دوسرے ممالک افغانستان کو کہاں پہنچائیں گے یہ آنے والا وقت ہی بتائے گا۔

آبادی نے طالبان کے خلاف ہتھیار اُٹھا لیے ہیں اور وہ افغانستان کی سرکاری افواج کو مدد پہنچا رہے ہیں حالانکہ طالبان ابھی بھی حکمت عملی کے طور پر ہوشیاری سے کام لے رہے ہیں۔ انھیں کئی پڑوسی ممالک کے افغانستان سے وابستہ مفادات کا بھی علم ہے اس لیے انھوں نے کہا ہے کہ وہ جلد ہی تحریری طور پر امن اسکیم افغانستان حکومت کو دے دیں گے، لیکن طالبان کے تمام دعووں پر افغان حکومت کو بالکل بھروسہ نہیں ہے۔

افغانستان میں مستقبل کے مسائل صرف خانہ جنگی تک ہی محدود نہیں ہیں۔ اگر جنگ تیز ہوئی تو اس سے ملک کی مالی حالت مزید خراب ہوتی چلی جائے گی۔ افغان وزارتِ خزانہ کے حالیہ اعداد وشمار ظاہر کررہے ہیں کہ طالبان کے حملوں میں شدت کی وجہ سے حکومت کی ٹیکس وصولی کو کافی نقصان پہنچا ہے۔ سرحدی ٹیکس کی وصولی میں کافی کمی آئی ہے۔ طالبان نے افغانستان کے دوسرے

افغانستان کے تعلق سے ایران کافی سرگرم ہے۔ اس نے کچھ باتیں واضح کردی ہیں۔ ایران کا کہنا ہے کہ طالبان افغانستان کا واحد چہرہ نہیں ہے۔ افغانستان میں تمام قبائل کی ملی جلی حکومت بنی چاہیے۔ ایران کسی بھی قیمت پر ازبیکستان، تاجکستان اور ہزارہ قبیلوں کو کمزور نہیں ہونے دے گا حالانکہ ایران اور طالبان کے درمیان پچھلے کچھ سالوں میں بہتر تعلقات کو فروغ ملا ہے۔

درجہ والے کچھ سرحدی ٹیکس مراکز پر افغانستان حکومت کے کنٹرول کو کمزور کردیا ہے۔ اس وقت سرحدی ٹیکس وصولی پچاس کروڑ کے بجائے پندرہ کروڑ یومیہ رہ گئی ہے۔ یعنی اس میں دوتہائی یومیہ کی گراوٹ آئی ہے حالانکہ ایک دلیل یہ بھی دی جارہی ہے کہ طالبان کے حملہ کو صرف بہانا بنایا گیا ہے جبکہ سرحدی ٹیکس کے افسران نے بدعنوانی کو فروغ دے کر یہ نقصان پہنچایا ہے اور افسران طالبان کا بہنا بنا کر خود پیسہ بٹور رہے ہیں۔ ان حالات میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ افغان حکومت کی آمدنی کیسے بڑھے گی۔ ملک کو چلانے کے لیے سرمایہ کہاں سے آئے گا؟ ظاہر ہے ایسے حالات میں اگر خانہ جنگی بڑھی تو افغانستان کی معیشت تباہ ہوجائے گی۔ حکومت کی آمدنی کیسے بڑھے اور ملک کی ترقی کیسے ہو اس پر کوئی ٹھوس اسکیم بنانے میں امریکہ نے کوئی کام نہیں کیا۔ یہ اس کی ترجیحات میں کبھی رہا بھی نہیں۔ امریکی پالیسی ایسے ممالک کو الجھائے رکھنے کی ہی رہی ہے، تبھی امریکی مفاد پورے ہوتے ہیں۔ پچھلے بیس سال سے کابل پر حکومت کرنے والے افغان رہنماؤں پر بدعنوانی کے بڑے الزامات لگتے رہے ہیں حالانکہ دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر مغربی ممالک نے افغانستان کو کافی اقتصادی مدد دی ہے۔ افغانستان میں ترقیاتی کام تیز کرنے کی کوششیں بھی کی گئیں۔ افغانستان حکومت کو فوجی امداد بھی دی گئی لیکن

افغانستان میں مستقبل کے مسائل صرف خانہ جنگی تک ہی محدود نہیں ہیں۔ اگر جنگ تیز ہوئی تو اس سے ملک کی مالی حالت مزید خراب ہوتی چلی جائے گی۔ افغان وزارتِ خزانہ کے حالیہ اعداد و شمار ظاہر کررہے ہیں کہ طالبان کے حملوں میں شدت کی وجہ سے حکومت کی ٹیکس وصولی کو کافی نقصان پہنچا ہے۔ سرحدی ٹیکس کی وصولی میں کافی کمی آئی ہے۔ طالبان نے افغانستان کے دوسرے درجہ والے کچھ سرحدی ٹیکس مراکز پر افغانستان حکومت کے کنٹرول کو کمزور کردیا ہے۔ اس وقت سرحدی ٹیکس وصولی پچاس کروڑ کے بجائے پندرہ کروڑ یومیہ رہ گئی ہے۔ یعنی اس میں دو تہائی یومیہ کی گراوٹ آئی ہے حالانکہ ایک دلیل یہ بھی دی جارہی ہے کہ طالبان کے حملہ کو صرف بہانا بنایا گیا ہے۔

ان سب کا کوئی فائدہ نظر نہیں آیا۔ آج طالبان افغان فوج پر بھاری پڑ رہے ہیں۔ ایسی صورت میں مستقبل میں افغانستان کو کہاں سے اقتصادی مدد ملے گی، یہ وقت بتائے گا۔

افغانستان کے تعلق سے ایران کافی سرگرم ہے۔ اس نے کچھ باتیں واضح کردی ہیں۔ ایران کا کہنا ہے کہ طالبان افغانستان کا واحد چہرہ نہیں ہے۔ افغانستان میں تمام قبائل کی ملی جلی حکومت بنی چاہیے۔ ایران کسی بھی قیمت پر ازبیکستان، تاجکستان اور ہزارہ قبیلوں کو کمزور نہیں ہونے دے گا حالانکہ ایران اور طالبان کے درمیان پچھلے کچھ سالوں میں بہتر تعلقات کو فروغ ملا ہے لیکن کابل پر طالبان کے مکمل قبضہ کو ایران قطعی پسند نہیں کرے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ایران اب براہِ راست مداخلت شروع کرچکا ہے۔ پچھلے ہفتہ ایران نے تہران میں طالبان کے اہم لیڈر شیر محمد عباس استان قزائی اور افغانستان کے سابق نائب صدر جمہوریہ یونس قانونی کے مابین بات چیت کروائی۔ اس بات چیت میں ایران نے اپنا موقف واضح کردیا ہے کہ وہ کابل میں تمام قبائل کی مشترکہ حکومت چاہتا ہے۔ ایران کئی وجہوں سے افغانستان کے تئیں سنجیدہ ہے۔ ایران کی طویل سرحد افغانستان سے ملتی ہے۔ اس سرحد پر وہ صوبے ہیں جہاں طالبان مضبوط ہیں۔ یہ افغانی صوبے ایران کے لیے جنگی اور اقتصادی اہمیت کے حامل ہیں کیونکہ ان صوبوں سے ہی پاکستان کے کوئٹہ سے ترکمانستان تک جانے والا اقتصادی گلیارہ گزرتا ہے۔ ایران کو معلوم ہے کہ اگر کابل پر طالبان کا بلاشرکت غیرے کنٹرول ہوا تو اس علاقے میں پاکستان کا براہِ راست اثر بڑھے گا اور اس سے ایران کے مفادات متاثر ہوں گے۔

چین بھی افغانستان میں سرگرم ہوگیا ہے۔ وہ اپنے مفادات دیکھ رہا ہے۔ چین کے خودمختار علاقہ شین جیانگ میں سرگرم ایغور شدت پسندوں کے طالبان اور القاعدہ سے نزدیکی تعلقات ہیں۔ چین کی سرحد بھی افغانستان سے ملتی ہے اس لیے چین کو بھی اندیشہ ہے کہ اگر طالبان کابل کو کنٹرول کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں تو ایغور شدت پسندوں کا حوصلہ بڑھے گا۔ چین افغانستان میں فوجی اڈہ قائم کرنے پر بھی غور کررہا ہے۔ اس کے علاوہ وہ افغانستان میں اقتصادی سرمایہ کاری مزید تیز کرنے کی اسکیم پر کام کررہا ہے۔ دراصل طالبان چین کی سب سے اہم پروجیکٹ بیلٹ اور روڈ کی پہل میں رکاوٹ بن سکتے ہیں۔ ان حالات میں افغان حکومت، طالبان اور خود کے مفادات کو سامنے رکھ کر دوسرے ممالک افغانستان کو کہاں پہنچائیں گے یہ آنے والا وقت ہی بتائے گا۔□□

میزان — حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ کی ایک نابغۂ روزگار تحریر

قوموں کا عروج و زوال

تم کرۂ ارض کی کوئی قوم لے لو اور زمین کا کوئی ایک قطعہ سامنے رکھ لو، جس وقت سے اس کی تاریخ روشنی میں آئی ہے اس کے حالات کا کھوج لگاؤ تو تم دیکھوگے کہ اس کی پوری تاریخ کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ وارث و میراث کی ایک مسلسل داستان ہے یعنی ایک قوم قابض ہوئی، پھر مٹ گئی اور دوسری وارث ہوگئی۔ پھر اس کے لیے بھی مٹنا ہوا اور تیسرے وارث کے لیے جگہ خالی ہوگئی۔ ''وہلم جرا....'' قرآن کہتا ہے، یہاں وارث و میراث کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اب سوچنا یہ ہے کہ جو ورثہ چھوڑنے پر مجبور ہوتے ہیں کیوں ہوتے ہیں اور جو وارث ہوتے ہیں کیوں وارثت کے حقدار ہوجاتے ہیں، فرمایا اس لیے کہ یہاں خدا کا ایک اٹل قانون کام کررہا ہے کہ زمین کے وارث خدا کے بندے ہوتے ہیں۔ (القرآن، الانبیاء: ۲۱:۱۰۵) یعنی جماعتوں اور قوموں کے لیے یہاں بھی یہ قانون کام کررہا ہے کہ انھی لوگوں کے حصے میں ملک کی فرماں پذیری آتی ہے جو نیک ہوتے ہیں، صالح ہوتے ہیں۔ صلح کے معنی سنوارنے کے ہیں، فساد کے معنی بگڑنے اور بگاڑنے کے ہیں۔ صالح انسان وہ ہے جو اپنے کو سنوار لیتا ہے اور دوسرے میں سنوارنے کی استعداد پیدا کرتا ہے، اور یہی حقیقت بدعملی کی ہے۔ پس قانون یہ ہوا کہ زمین کی وراثت سنوارنے اور سنوارنے والوں کے حصے میں آتی ہے، ان کے حصے میں نہیں جو اپنے اعتقاد وعمل میں بگڑ جاتے ہیں اور سنوارنے کی جگہ بگاڑنے والے بن جاتے ہیں۔

توارت، انجیل اور قرآن تینوں نے وراثت ارضی کی ترکیب جابجا استعمال کی اور غور کرو یہ ترکیب صورتِ حال کی کتنی سچی اور قطعی تعبیر ہے، دنیا کے ہر گوشے میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک طرح کی بدلتی ہوئی میراث کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے یعنی ایک فرد اور ایک گروہ طاقت و اقتدار حاصل کرتا ہے، پھر وہ چلا جاتا ہے اور دوسرا فرد یا گروہ اس کی ساری چیزوں کا وارث ہوجاتا ہے، حکومتیں کیا ہیں، محض ایک ورثہ ہیں جو ایک گروہ سے نکلتا ہے اور دوسرے گروہ کے حصہ میں آجاتا ہے۔ پس قرآن کہتا ہے ایسا کیوں ہے اس لیے کہ وراثت ارض کی شرط اصلاح وصلاحیت ہے، جو صالح نہ رہے، ان سے نکل جائے گی، جو صالح ہوں گے ان کے ورثہ میں آئے گی اور تم خدا کی عادت میں ہرگز تبدل نہ پاؤگے اور خدا کے طریقے میں کبھی تغیر نہ دیکھوگے۔ (القرآن، فاطر-۳۵:۴۳)

> یہ انقلاب قدرتی ہے اور نہیں معلوم اس دنیا میں کتنے دور قوموں اور ملکوں پر اس کے گزر چکے ہیں۔ آج امید وکامیابی کے جس آفتاب سے غیروں کے ایوان اقبال روشن ہورہے ہیں، کبھی ہمارے سروں پر بھی چمک چکا ہے اور جس بہار کے موسم عیش ونشاط سے ہمارے حریف گزر رہے ہیں ایک زمانہ تھا کہ ہمارے باغ وچمن ہی میں اس کے جھونکے آیا کرتے تھے

سورہ رعد میں فرمایا گیا: اسی نے آسمان سے مینہ برسایا پھر اس سے اپنے اپنے اندازے کے مطابق نالے بہہ نکلے پھر نالے پر پھولا ہوا جھاگ آگیا اور جس چیز کو زیور یا کوئی اور سامان بنانے کے لیے آگ میں تپاتے ہیں، اس میں بھی ایسا ہی جھاگ ہوتا ہے، اس طرح خدا حق اور باطل کی مثال بیان فرماتا ہے، سو جھاگ تو سوکھ کر زائل ہوجاتا ہے اور (پانی) جو لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے، وہ زمین میں ٹھہرا رہتا ہے، اس طرح خدا (صحیح اور غلط کی) مثالیں بیان فرماتا ہے تاکہ تم سمجھو۔ (الرعد-۱۳:۱۷)

تو یہ جو کچھ بھی ہے، حق و باطل کی آویزش ہے، لیکن حق اور باطل کی حقیقت کیا ہے؟ کونسا قانون ہے جو اس کے اندر کام کررہا ہے؟ یہاں واضح کیا گیا کہ یہ بقاء انفع کا قانون ہے یعنی اللہ نے قانون ہستی کے قیام و اصلاح کے لیے یہ قانون ٹھہرایا ہے کہ یہاں وہ چیز باقی رہ سکتی ہے جس میں نفع ہو، جس میں نفع نہیں وہ نہیں ٹھہر سکتی، اسے نابود ہوجانا ہے کیونکہ کائنات ہستی کا یہ بناؤ، یہ حسن، یہ ارتقاء قائم نہیں رہ سکتا، اگر اس میں خوبی کی بقاء اور خرابی کے ازالے کے لیے ایک اٹل قوت سرگرم کار نہ رہتی، یہ قوت کیا ہے، فطرت کا انتخاب ہے، فطرت ہمیشہ چھانٹتی رہتی ہے، وہ ہر گوشہ میں صرف خوبی اور برتری ہی باقی رکھتی ہے فساد اور نقص محو کردیتی ہے، ہم فطرت کے اس انتخاب سے بے خبر نہیں ہیں، قرآن کہتا ہے اس کارگاہِ فیضان و جمال میں صرف وہی چیز باقی رکھی جاتی ہے جس میں نفع ہو، کیونکہ یہاں رحمت کارفرما ہے اور رحمت چاہتی ہے کہ افادۂ فیضان ہو، وہ نقصان گوارا نہیں کرسکتی، وہ کہتا ہے: جس طرح تم مادّیات میں دیکھتے ہو کہ فطرت چھانٹتی ہے، جو چیز نافع ہوتی ہے اسے باقی رکھتی ہے اور جو نافع نہیں ہوتی اسے محو کردیتی ہے۔ ٹھیک ٹھیک عمل ایسا ہی معنویات میں بھی جاری ہے جو عمل حق ہوگا قائم اور ثابت رہے گا جو باطل ہوگا مٹ جائے گا اور جب کبھی حق و باطل کا مقابلہ ہوگا تو بقائے حق کے لیے ہوگی نہ کہ باطل کے لیے وہ اسی کو قضاء بالحق سے تعبیر کرتا ہے یعنی فطرت کا فیصلہ حق جو باطل کیلئے نہیں ہوسکتا۔

عمران وتمدن کے تمام اصولوں اور قوانین کا متن قرآن کا ہی اصل الاصول (باقی صـ۱۴ پر)

دریچے — م-س-ج-

ہندستان میں 'ای کامرس' کی بڑھتی مشکلیں

ڈیجیٹل دور میں آن لائن شاپنگ ہر کسی کا پسندیدہ مشغلہ بن گیا ہے اور کورونا وبا کے دور میں یہ خریداری کا سب سے آسان طریقہ بھی ہے۔ عید ہو یا دیوالی یا کوئی بھی تہوار گھر بیٹھے آن لائن شاپنگ کر کے لوگ اپنی پسند کی چیزیں منگوا لیتے ہیں اور وبا کے دور میں آن لائن خریداری میں اضافہ بھی دیکھنے کو ملا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لاک ڈاؤن میں جب تمام کاروبار ٹھپ پڑ گئے تھے، تب آن لائن پلیٹ فارم یعنی ای کامرس نے کافی ترقی کی ہے۔ آن لائن کاروبار یعنی 'ای کامرس' آسان اور سستا ہے، اسی طرح کورونا وبا کے دور میں بھی اس کی وجہ سے اس نے لاکھوں لوگوں کو ضروری سامان خریدنے کے لیے باہر جانے سے بچایا ہے۔ اس کے باوجود، ای کامرس کو اپنی تیزی سے بڑھتی ہوئی مارکیٹ یعنی ہندستان میں تنازعات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

ای کامرس سے متعلق تنازعات کیا ہیں؟: اس بارے میں بات کرنے سے قبل، یہ جان لینا ضروری ہوگا کہ ای کامرس نے ہندستان میں خریداری کے معنی بدل دیئے ہیں، اگلے تین سالوں میں ای کامرس کا ہندستانی مارکیٹ ۹۹؍ارب ڈالر تک پہنچنے کا تخمینہ ہے۔ کووڈ بحران کے دوران، جب ہر چیز رک چکی ہے، تب ای کامرس میں تیزی سے اضافہ ہوا ہے۔ اس کامیابی کے باوجود ہندستان میں بڑے ای کامرس پلیئر، ایمازون اور والمارٹ کی ملکیت والی فلپ کارٹ کے مابین تنازعات دیکھنے کو ملے ہیں۔ وہ بھی ایسے وقت میں جب ہندستان میں ہر سال لاکھوں افراد آن لائن خریداری سے جڑ رہے ہیں۔ ان کمپنیوں پر بار بار چھوٹے تاجروں نے کچھ دکانداروں کو فائدہ دینے اور باقیوں کو نظرانداز کرنے کا الزام عائد کیا ہے۔ علاوہ ازیں روایتی طور پر کاروبار کرنے والے چھوٹے کاروباریوں کا کہنا ہے کہ اس طرح کی ویب سائٹ ان کے کاروبار کو نقصان پہنچا رہی ہے۔

مودی حکومت کی تجاویز کیا ہیں؟: ۲۱؍جون کو قواعد میں سختی لاتے ہوئے صارفین کے امور کی وزارت نے ای کامرس کے حوالے سے موجودہ پالیسیوں میں تبدیلی کی تجویز پیش کی ہے۔ ان میں سے ایک تجویز مصنوعات کی فروخت یعنی 'Sell' پر پابندی عائد کرنے کی ہے جبکہ تہواروں کے مواقع پر ای کامرس کی ویب سائٹوں پر ایسی Sell بہت مشہور ہوتی ہے اور خریداری میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ مجوزہ نئے قواعد میں کہا گیا ہے کہ ای کامرس اداروں کو یہ یقینی بنانا چاہیے کہ وہ متعلقہ فریقوں اور وابستہ اداروں سے جمع کی گئی کسی بھی معلومات کو اپنے پلیٹ فارم کے ذریعے غیر منصفانہ تجارت سے فائدہ اُٹھانے کے لیے استعمال نہیں کریں گے۔ وہ یہ بھی یقینی بنائیں کہ متعلقہ فریقوں یا متعلقہ کاروباری اداروں میں سے کسی کو بھی Seller کی حیثیت سے نہیں رکھا گیا ہے۔ نئی تجاویز کے ذریعہ حکومت ریٹیل یعنی خوردہ اور ای کامرس کو مارکیٹ میں مساوی درجہ مہیا کرانا چاہتی ہے، اس بارے میں ۶؍جولائی تک غور کیا جائے گا۔ کنفیڈریشن آف آل انڈیا ٹریڈرس (CAIT) کے جنرل سیکریٹری پروین کھنڈیلوال نے حکومت کی تجاویز کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا ہے کہ نئے قواعد کے ذریعے ای کامرس کمپنیوں کو جوابدہ بنایا جاسکتا ہے۔ نئی تجاویز طویل جدوجہد کے بعد سامنے آئی ہیں۔ جدوجہد تین سالوں سے جاری تھی لیکن جون میں یہ تجاویز سامنے آئیں۔

ای کامرس کمپنیوں کے خلاف معاملے میں کرناٹک ہائی کورٹ نے کیا کیا

۲۰۱۹ء میں دہلی ٹریڈرس ایسوسی ایشن نے کمپٹیشن کمیشن آف انڈیا (سی سی آئی) سے شکایت کی کہ ایمازون اور فلپ کارٹ جیسی کمپنیاں غیر منصفانہ کاروباری طریقوں کو اپنا رہی ہیں۔ اس سال جون میں کرناٹک ہائی کورٹ نے ایمازون اور فلپ کارٹ کی درخواستوں کو مسترد کرتے ہوئے سی سی آئی کو ان اربوں ڈالر والی کمپنیوں کے خلاف تحقیقات شروع کرنے کا حکم دیا۔

ہائی کورٹ کے حکم کا خیر مقدم کرتے ہوئے کنفیڈریشن آف آل انڈیا ٹریڈرس (سی اے آئی ٹی) کے چیئرمین کھنڈیلوال کا کہنا ہے کہ عدالت کا حکم ہماری باتوں کی پوری طرح تصدیق کرتا ہے، ہم کہہ رہے ہیں کہ ایمازون اور فلپ کارٹ کا بزنس ماڈل براہِ راست غیر ملکی سرمایہ کاری سے متعلق اور دوسری پالیسیوں کے خلاف ہے۔ سی اے آئی ٹی کا دعویٰ ہے کہ وہ ملک کے تقریباً آٹھ کروڑ خوردہ خریداروں کی نمائندگی کرتی ہے، اس تنظیم نے ۲۰۲۰ء کے اوائل میں جیف بیزون کے ہندستان کے دورے کی مخالفت میں احتجاج بھی کیا تھا۔ ویسے کھنڈیلوال نے حکومت سے بارہا اپیل کرتے ہوئے یہی کہا ہے کہ حکومت ای کامرس کو کاروباری دہشت گردی سے پاک بنائے، وہیں کرناٹک ہائی کورٹ میں جاری کیس کی سماعت میں شامل وکلاء نے اس معاملے پر تبصرہ کرنے سے انکار کردیا ہے۔ اسی کے ساتھ ہی کمپٹیشن کمیشن آف انڈیا نے جانچ کا حکم دیا ہے۔ دوسری طرف فلپ کارٹ اور ایمازون پر الزام ہے کہ انھوں نے اپنی پسندیدہ کاروباریوں کی فہرست میں انھیں شامل کیا ہے جو براہِ راست یا بلاواسطہ ان کمپنیوں سے وابستہ یا ان کے زیر کنٹرول ہیں۔ کمپٹیشن کمیشن آف انڈیا کے حکم نامے میں ان الزامات کی بھی بات کی گئی ہے جس کے مطابق یہ کمپنیاں اسمارٹ فون کمپنیوں کے ساتھ خصوصی معاہدہ کرتی ہیں جس کی وجہ سے وہ صارفین کو نہایت ہی دلکش چھوٹ (رعایت) فراہم کرتے ہیں اور اس طرح دوسرے تاجروں کا مارکیٹ سے باہر ہوجانے کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔ کمپٹیشن کمیشن آف انڈیا کے مطابق الزامات کی بھی جانچ کی جاری ہے۔ موجودہ ایف ڈی آئی قانون اس کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ ہندستانی قوانین کے مطابق آزادانہ پالیسیوں کے ذریعہ سو فیصد غیر ملکی سرمایہ کاری کی اجازت ہے لیکن ای کامرس انوینٹری پر مبنی ماڈل میں جہاں مصنوعات ای کامرس کمپنی کی ہوا اور اسے صارفین کو براہِ راست فروخت کیا جارہا ہو، وہاں غیر ملکی سرمایہ کاری (ایف ڈی آئی) کی اجازت نہیں ہے۔ ای کامرس کمپنیوں کو اپنی فروخت کا ایک چوتھائی حصہ ۲۵ فیصد کسی وینڈر یا کمپنی کو فروخت کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ مزید برآں مصنوعات کی فروخت اور قیمتوں پر براہِ راست یا بلاواسطہ دباؤ بھی نہیں ڈال سکتے تاکہ خوردہ بازار سے برابری کی صورتحال بنی رہے۔

کھنڈیلوال ان بنیادوں پر ان ای کامرس کمپنیوں کو تنبیہ کرتے آئے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ ان کمپنیوں نے کچھ کاروباریوں کی حمایت کرتے ہوئے صارفین کو بھاری چھوٹ دی ہے اور مصنوعات کی انوینٹری کو بھی کنٹرول کیا ہے۔ یہی نہیں قیمتوں میں من مانی تبدیلیاں کی گئیں اور ان سب کے ذریعے کاروبار سے غیر منصفانہ فائدہ اُٹھایا گیا۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ پچھلے تین سالوں سے اس بارے میں حکومت سے شکایت کرتے آئے ہیں لیکن اب تک کوئی قدم نہیں اُٹھایا گیا۔ دوسری طرف ہندستان کے بازار کو دیکھتے ہوئے غیر ملکی کمپنیاں بہت زیادہ سرمایہ کاری کررہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مئی ۲۰۱۸ء میں والمارٹ نے فلپ کارٹ کو سولہ ارب ڈالر میں حاصل کیا جو ای کامرس کے میدان میں دنیا کا سب سے بڑا سودا ہے۔

گوشہ روزگار

کنفیکشنری چھوٹے سرمایہ سے بڑا کام

کنفیکشنری کا نام سنتے ہی ہمارے دماغ میں کیک، پیسٹری، نمکین اور نہ جانے کیا کیا چیزیں دماغ میں آنے لگتی ہیں۔ آج کل اس طرح کے آئٹمس کی بازار میں کافی مانگ ہے۔ سالگرہ ہو یا کسی اور طرح کی پارٹی، کنفیکشنری کے بغیر پارٹی ادھوری ہی رہتی ہے۔ آج کل بازار میں طرح طرح کے نمکین بسکٹ اور کیک آسانی سے دستیاب ہیں۔ اس فیلڈ میں روز نئے نئے تجربات ہوتے رہتے ہیں۔ پہلے جہاں بازار میں صرف کچھ خاص اقسام کے کنفیکشنری آئٹمس ہی دستیاب تھے وہیں اب اَنگنت قسم کے آئٹمس بازار میں مل جاتے ہیں۔ جس میں بیشتر کام افرادقوت یعنی ہاتھ سے ہی ہوتا ہے، اس لیے اس فیلڈ میں روزگار کے بے پناہ مواقع ہیں۔ اگر آپ میں تھوڑی سے لگن اور محنت کرنے کی صلاحیت ہے تو آپ اپنا کام شروع کرسکتے ہیں۔ اس میں آپ اپنے ساتھ کئی اور لوگوں کے لیے بھی روزگار کے دروازے کھول سکتے ہیں۔

کیا ہے کنفیکشنری؟

آج کل کنفیکشنری سے وابستہ چیزوں کی مانگ کافی بڑھی ہے۔ پہلے بسکٹ اور نمکین کو کنفیکشنری آئٹمس میں گنا جاتا تھا، لیکن بزنس کے بدلتے ٹرینڈ نے اس فیلڈ کو اور بڑا بنا دیا ہے۔ اب بازار میں کنفیکشنری آئٹمس کی ایک بڑی رینج موجود ہے اور ہر آمدنی والے طبقے کے لیے اس کے مطابق سامان بازار میں موجود ہے۔ بسکٹ، بن، پاپے، نمکین، کیک، پیٹیز اور ٹافیاں کنفیکشنری کا ایک اہم حصہ ہیں۔ اس فیلڈ میں برانڈیڈ کمپنیوں کے ساتھ ساتھ چھوٹی کمپنیوں کے پروڈکٹس بھی مارکیٹ میں خوب چھائے ہوئے ہیں۔

کس طرح کے سامان کی ضرورت ہے؟

کنفیکشنری آئٹمس بنانے کے لیے بہت بڑے ساز وسامان کی ضرورت نہیں ہے۔ سارا سامان بازار میں آسانی سے دستیاب ہوتا ہے۔ بیشتر نمکین، دال، بیسن اور کچھ پھلوں اور سبزیوں کے بنتے ہیں۔ اس لیے اس طرح کا سامان ملنے میں آپ کے سامنے کوئی پریشانی نہیں پیش آئے گی۔

کنفیکشنری صنعت کس کے لیے؟

یہ کھانے پینے سے وابستہ فیلڈ ہے۔ اس لیے یہاں کچھ الگ کرنے کا چیلنج رہتا ہے۔ آپ کو کچھ ایسا کرنا ہوگا، جس سے گاہک آپ کے پروڈکٹ کی مانگ کریں۔ اگر آپ تخلیقی ہیں اور کچھ نیا کرنا چاہتے ہیں اور ساتھ ہی کھانے پینے سے جڑی چیزوں کو بنانا آپ کا جنون ہے تو یہ فیلڈ آپ کے لیے بہت اچھا ثابت ہوسکتا ہے۔

ابتدائی لاگت

ابتدائی دَور میں ۵۰ ہزار سے لے کر ایک لاکھ تک کی سرمایہ کاری کی ضرورت ہوگی کیونکہ آپ کو سامان کے ساتھ کنفیکشنری آئٹمس بنانے والے برتنوں کی بھی ضرورت ہوگی۔ اس لیے ابتدا میں خرچ تھوڑا بڑھ سکتا ہے۔

سرکاری پالیسی

مرکزی اور ریاستی حکومتوں کی کھادی گرام اُدیوگ محکمہ اس طرح کے چھوٹی صنعتوں کے لیے کئی طرح کے منصوبے چلاتی ہیں۔ آپ کو چاہیے کہ ایک اچھا پروجیکٹ بنائیں۔ اگر وہ منظور ہوگیا تو آپ کو پچاس ہزار سے لے کر ۲۵؍لاکھ روپے تک کا قرض آسانی سے دستیاب ہوسکتا ہے۔ اس سے آپ ایک اچھی تجارت شروع کرسکتے ہیں۔ اس کے علاوہ کوآپریٹیو سوسائٹی، بینک بھی قرض دیتے ہیں۔

کیسے شروع کریں؟

حالانکہ یہ کام دیکھنے میں مشکل لگتا ہے، لیکن تھوڑی سی محنت اسے آسان کردیتی ہے۔ گھر سے بھی اس کام کو شروع کیا جاسکتا ہے لیکن کام شروع کرنے سے قبل آپ کچھ قانونی عمل کو پورا کرلیں تو اچھا ہوگا۔ اس سلسلے میں پہلا مرحلہ میں آپ کو اپنے ضلع یا مقامی صحت محکمہ سے رابطہ کرنا چاہیے وہاں سے آپ کو لائسنس جاری کیا جائے گا، تبھی اس طرح کے کھانے پینے کی چیزیں بناسکتے ہیں۔ دوسرے مرحلے میں فوڈ لائسنس لینے کے بعد مقامی انتظامیہ سے رابطہ کرنا ہوگا، جو آپ کو نو آبجیکشن سٹیفکیٹ (NOC) دے گا۔ اس کے بعد ہی آپ پروڈکشن شروع کرسکتے ہیں۔ تیسرے مرحلے میں اگر آپ اپنے مصنوعات کو پیکٹ میں بند کر کے فروخت کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے آئی ایس او سٹیفکیٹ ضرور حاصل کرلیں ورنہ آپ کے لیے پریشانی ہوسکتی ہے۔

آمدنی کے امکانات

یہ کھانے پینے کا معاملہ ہے اور اعتبار ہی اس فیلڈ کی سب سے اہم چیز ہے۔ اگر آپ ایک بار اپنے گاہک کا دل جیت لیتے ہیں تو آپ کے لیے پھر کسی بات کی کوئی کمی نہیں ہوگی۔ ابتدائی دَور میں آپ ہر ماہ ۲۰-۲۵ ہزار روپے کماسکتے ہیں۔ ☐☐

اگر کوئی ہمارے چار ممبران کو توڑے گا تو ہم اس کے چالیس ممبران توڑنے کی طاقت رکھتے ہیں

وکاس شیل انسان پارٹی کے صدر اور بہار حکومت میں وزیر مکیش ساہنی کا انٹرویو

بہار کی ایک پارٹی اتر پردیش میں انتخابات لڑنے جارہی ہے جس کا نام وکاس شیل انسان پارٹی (وی آئی پی) ہے۔ اس کی سیاسی اہمیت اس لیے ہے کہ یہ نہایت پسماندہ ذات سے تعلق رکھنے والے نشاد سماج کی نمائندگی کرتی ہے۔ بہار میں اس کے ممبرانِ اسمبلی ہیں اور پارٹی نتیش کمار کی قیادت میں این ڈی اے حکومت کا حصہ ہے۔ یوپی میں نشاد سماج کی تعداد اچھی خاصی ہے، وہاں پہلے سے قائم نشاد پارٹی سے اتحاد کرنے کے لیے بی جے پی اور سماجوادی میں دوڑ نظر آتی رہی ہے۔ وہاں کی انتخابی سیاست میں وی آئی پی کا داخلہ کیوں ہورہا ہے، کیا سیاسی مفاہمت ہوسکتے ہیں اور بہار میں کیا کچھ چل رہا یہ جاننے کے لیے وی آوی پی صدر اور بہار حکومت میں وزیر مکیش ساہنی سے بات ہوئی، پیش ہے اس کے اقتباسات۔

س: آپ کی پارٹی نے اتر پردیش میں بھی انتخابات میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا ہے، اس کا کوئی خاص مقصد؟

ج: سیاست میں بغیر مقصد کے کچھ نہیں ہوتا۔ ابھی تک سبھی سیاسی پارٹیوں نے نشاد سماج کا ووٹ حاصل کیا لیکن نشاد سماج کبھی سیاست میں طاقت نہیں بن پایا۔ اس کے مسائل حل طلب ہی رہے۔ ہم نے نشاد سماج کے لوگوں کو سیاسی طور پر طاقتور بنانے کے لیے الگ پارٹی بنائی ہے۔ ہمارا ہدف مرکزی سیاست میں نشاد سماج کو اہم رول میں لانا ہے۔ یہ اسی وقت ممکن ہوگا جب ہم ریاستوں میں مضبوط ہوں گے۔

س: لیکن اتر پردیش میں پہلے سے نشاد پارٹی موجود ہے۔ بی جے پی کی معاون کے روپ میں کام کررہی ہے وہاں جگہ بنانا کیا آسان ہوگا؟

ج: ڈاکٹر صاحب (نشاد پارٹی کے صدر ڈاکٹر سنجے نشاد) ایک ٹکٹ پر معاہدہ کرلیتے ہیں۔ سب نے دیکھا کہ ۲۰۱۸ء کے گورکھپور کے ضمنی انتخاب میں اپنے بیٹے کو ٹکٹ دلانے کے لیے وہ سماجوادی پارٹی کے ساتھ مل گئے۔ ۲۰۱۹ء میں بھی صرف بیٹے کے ٹکٹ پر انھوں نے بی جے پی کو حمایت دے دی۔ ہم ایسا نہیں کرنے والے، ہم آبادی کے تناسب سے اپنی حصہ داری چاہتے ہیں۔ بہار میں ہم کسی کے طفیلی نہیں بنے، ہم نے اپنا حصہ مانگا، ٹکٹ میں بھی اور حکومت میں بھی۔ بہار میں نشاد سماج کے لوگ فخر کرتے ہیں کہ وہ سرکار میں ہیں۔

س: اتر پردیش میں آپ کی پارٹی کس کے خلاف الیکشن لڑے گی؟

ج: ہماری پارٹی وہاں کسی کے خلاف انتخاب نہیں لڑنے جارہی ہے۔ ہم اپنے سماج کے لوگوں کو بیدار کرنے جارہے ہیں کہ اپنی پارٹی کو مضبوط بناؤ۔ ۲۰۲۰ء میں اگر بہار میں وی آئی پی کے لوگ کامیاب ہوئے ہیں تو یقین کیجیے ممبر پارلیمنٹ بھی بنیں گے۔ جتنے زیادہ لوک سبھا ممبران کامیاب ہوں گے اس سے جو ہماری نشاد سماج کے لوگوں کو شیڈول کاسٹ کی فہرست میں شامل کرنے کی اہم لڑائی ہے اسے طاقت ملے گی۔

> **یوپی میں تو ہماری ابھی کسی کے ساتھ اتحاد کرنے کی بات نہیں ہوئی ہے۔ ہم نے ۱۶۰ سیٹوں کی پہچان کی ہے جہاں ہمارے سماج کی تعداد اچھی خاصی ہے۔ ہم نے ان سیٹوں پر اکیلے انتخابات لڑنے کے ارادے کے تحت کام بھی شروع کردیا ہے۔**

س: بہار میں آپ بی جے پی کے ساتھ حکومت کا حصہ ہیں۔ یوپی میں ایس پی، بی ایس پی اور کانگریس بھی نہایت پسماندہ طبقات کی نمائندگی کرنے والی پارٹی سے اتحاد کی تلاش میں ہیں، کس کے ساتھ جانا پسند کریں گے؟

ج: یوپی میں تو ہماری ابھی کسی کے ساتھ اتحاد کرنے کی بات نہیں ہوئی ہے۔ ہم نے ۱۶۰ سیٹوں کی پہچان کی ہے جہاں ہمارے سماج کی تعداد اچھی خاصی ہے۔ ہم نے ان سیٹوں پر اکیلے انتخابات لڑنے کے ارادے کے تحت کام بھی شروع کردیا ہے۔ اکتوبر میں دیکھیں گے کہ اگر ہم خیال نظریہ والی پارٹی سے کوئی بات ہوتی ہے اور وہ ہماری آبادی کے تناسب سے ہمیں حصہ داری دینے کو تیار ہوتی ہے تو اتحاد سے متعلق غور کیا جائے گا۔

س: یوپی سے قطع نظر بہار پر آتے ہیں، وہاں اس وقت کیا چل رہا ہے؟

ج: بہار میں سب کچھ ٹھیک چل رہا ہے۔ نتیش جی کی قیادت میں متحدہ سرکار اپنا کام بہتر کررہی ہے، ہم امید کرتے ہیں کہ پانچ سال چلتی رہے گی۔

س: گزشتہ دنوں ایل جے پی میں ٹوٹ پھوٹ ہوئی، بہار کی سیاست پر اس کا کیا اثر پڑے گا؟

ج: ابھی وہاں کوئی انتخاب نہیں ہونے والا، اس لیے کیا اثر پڑتا ہے، اس کا کوئی اندازہ نہیں ہوسکتا۔ انتخابات جب ہوں گے اس وقت دیکھنے والی بات ہوگی کہ کیا توازن بنتا ہے اور اس کا کیا اثر پڑتا ہے۔

س: ایل جے پی کی تقسیم کے بعد بہار میں کئی دوسری چھوٹی پارٹیوں کے ٹوٹنے کے آثار ظاہر کیے جارہے ہیں، آپ کی پارٹی کتنی محفوظ ہے؟

ج: مجھے نہیں لگتا کہ کوئی میری پارٹی توڑے گا یا میرے لوگ ٹوٹیں گے۔ مجھے اپنی صلاحیت پر بھروسہ ہے۔ کوئی اگر میرے چار ممبر توڑے گا تو میں اس کے چالیس ممبران توڑنے کی صلاحیت رکھتا ہوں۔

س: بہار سے اس طرح کی خبریں آتی رہتی ہیں کہ سرکار کے اتحادی پارٹیوں میں سب کچھ ٹھیک نہیں ہے تو کیا پانچ سال نتیش جی وزیر اعلیٰ رہ پائیں گے؟

ج: ویسے تو سیاست میں کچھ کہا نہیں جاسکتا کہ کب کیا ہوجائے لیکن ابھی تو ہمیں ایسا کچھ نظر نہیں آرہا ہے جس میں مشکلات جیسی کوئی بات کہی جائے۔ □□

ہوا کے دوش پر

دنیا میں صحافیوں پر خطرات کے گہرے بادل

دُنیا میں صحافیوں پر خطرات کے بادل دن بدن گہرے ہورہے ہیں۔ انٹرنیشنل فیڈریشن آف جرنلسٹ نے ۱۹۹۰ء سے اب تک ہلاک ہونے والے صحافیوں اور اخبارات کے عملہ سے متعلق اپنی ۲۵ویں رپورٹ میں بتایا ہے کہ صحافت میں تشدد کی وجہ سے دو ہزار ۲۹۷ میڈیا میں سرگرم عمل افراد تشدد کا شکار ہوکر موت کو گلے لگا چکے ہیں۔ ان میں ۱۱۴ صحافی نامہ نگار بھی شامل ہیں جن کی ہلاکتیں سال گزشتہ کے دوران ہوئیں، اس سے قبل ۲۰۱۶ء میں سب سے زیادہ صحافی ۱۵۵ مارے گئے تھے۔ اس طرح کی ہلاکتوں سے واضح ہوتا ہے کہ معاشرہ میں تنقید برداشت کرنے کا مادّہ کم ہوتا جارہا ہے۔ مذکورہ رپورٹ کے فوراً بعد اقوامِ متحدہ کی تعلیمی، سائنسی وثقافتی امور کی تنظیم نے ایک روزہ بین الاقوامی کانفرنس منعقد کرکے صحافیوں کے تحفظ کے لیے اقدامات کا جائزہ لیا اور ممبر ممالک پر اس کی ضرورت واہمیت واضح کی اور یہ بھی بتایا کہ جنگوں اور مسلح تصادم کے واقعات میں زیادہ ہلاکتیں ہورہی ہیں۔ ان کے علاوہ بھی ذاتی اور نظریاتی مخاصمت میں صحافیوں کو نشانہ بنایا جارہا ہے تاکہ ان کی آواز کو دبایا جاسکے اور بدعنوان حکمراں نیز سیاست دانوں کے منظّم جرائم خاص طور پر کرپشن منظر عام پر نہ آسکیں، اسی مقصد سے جو صحافی امن کے دنوں میں مارے جارہے ہیں ان میں سے ہر دس میں سے صرف ایک کی موت تحقیقات کے دائرہ میں آتی ہے، باقی نو کو نظر انداز کردیا جاتا ہے۔ لہٰذا حکومتوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ صحافیوں کے لیے مکمل تحفظ کا انتظام کریں اور ٹھوس قانونی کارروائی کرکے مجرموں کو سزا دلانے تک چین سے نہ بیٹھیں، تبھی مستقبل میں صحافیوں پر حملہ کی روک تھام ہوسکتی ہے۔ جیسا کہ عالمی ادارہ اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی نے اپنے ۶۸ویں اجلاس میں ایک قرارداد منظور کرکے اس جانب توجہ دلائی تھی اور ۲رنومبر کو صحافیوں کے تحفظ کا عالمی دن بھی منایا تھا اس موقع پر مانگ کی گئی کہ دنیا میں صحافیوں کو بغیر کسی مداخلت کے کام کرنے کے لیے مواقع فراہم کرائے جائیں، اُن کی جان ومال، عزت وآبرو کو مکمل تحفظ فراہم کیا جائے تبھی چوتھی مملکت سے وابستہ صحافی برادری کو بہتر ماحول میں کام کرنے کے مواقع مل سکیں گے ورنہ جمہوریت کا یہ سب سے اہم ادارہ تباہ ہوجائے گا۔

ملک میں لاکھوں بچوں کی گمشدگی باعث تشویش

کچھ عرصہ قبل سپریم کورٹ نے گمشدہ بچوں کے معاملے میں موجودہ صورتحال کی رپورٹ پیش کرنے پر مرکزی اور ریاستی حکومتوں کی تنقید کرتے ہوئے کہا تھا کہ ایسا لگتا ہے کہ کسی کو بچوں کی فکر ہی نہیں ہے۔ لاپتہ بچوں کو تلاش کرنے کے معاملے میں سماعت کے دوران سابق ہدایات کے باوجود اروناچل پردیش، گجرات اور تاملناڈو کے چیف سکریٹریز کی غیر حاضری پر عدالت کو یہ کہنا پڑا تھا کہ کیا اگلی دفعہ ان چیف سکریٹریز کے خلاف غیر ضمانتی وارنٹ جاری کیے جائیں؟ صرف دو برس کے عرصہ میں ملک بھر میں کم وبیش دو لاکھ بچوں کا گم ہونا سرکاری عہدیداران کے لیے بھلے ہی اہمیت نہیں رکھتا ہو لیکن جن گھروں سے یہ بچے غائب ہوئے ان کی کیا حالت ہوگی؟ یہ اعداد وشمار تو وہ ہیں جو پولیس اسٹیشن میں درج ہوئے ہیں لیکن ایک بڑا طبقہ ایسے سرپرستوں کا بھی ہے جو بچوں کی رپورٹ درج نہیں کراپاتا۔ یہ سب سے بڑی سچائی ہے کہ ملک کا قانون اور نظم ونسق بچوں سے جڑے معاملات میں غیر حساس اور غیر سنجیدہ ہے۔ ایسے واقعات پر سپریم کورٹ نے دلّی پولیس کو کافی پہلے یہ پتہ لگانے کا حکم دیا تھا کہ کہیں یہ منظّم جرائم کی وجہ سے تو نہیں ہورہا ہے؟ کیونکہ اتنے بڑے پیمانے پر بچوں کا یوں غائب ہونا اپنے آپ میں یہ بتانے کے لیے کافی ہے کہ اس کے پیچھے بچوں کی اسمگلنگ میں ملوث افراد کا ہاتھ ہوسکتا ہے۔ یہ بات بھی منظر عام پر آئی تھی کہ بچوں کے لاپتہ ہونے جیسے بیحد تشویشناک مسئلہ پر پولیس کا یہ تصور رہتا ہے کہ کمزور طبقات کے غائب ہوئے بچے یا تو کہیں بھاگ گئے ہیں یا بھٹک گئے ہیں اور کچھ دنوں کے بعد وہ خود بخود واپس آجائیں گے لیکن اس بات میں صداقت نہیں ہے کیونکہ متعدد تحقیقات، حقوق انسانی کمیشن اور غیر سرکاری تنظیموں کی اسٹڈی سے یہ سچائی منظر عام پر آئی ہے کہ لاپتہ زیادہ تر بچے انسانی خرید وفروخت کے مافیاؤں کے شکار ہوجاتے ہیں۔ یہ غور طلب ہے کہ بچوں کا اغوا ملک میں ایک کاروبار کے طور پر فروغ پاتا جارہا ہے۔ گمشدہ بچوں کو ڈھونڈنا پولیس کی ذمہ داری ہے لیکن عدالت کے بار بار متنبہ کیے جانے کے باوجود یہ پولیس کے ذمہ داران ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے ہیں۔ سب سے زیادہ افسوسناک پہلو تو یہ ہے کہ سرکاری عہدیداران بھی اس حساس مسئلے کو سنجیدگی سے حل کرنے کی کوشش نہیں کرتے ہیں۔ پچھلی مرکزی حکومت نے گمشدہ بچوں کے معاملات پر نظر رکھنے کے لیے ایک نگرانی مشینری کا قیام عمل میں لانے کی بات کہی تھی لیکن اس سلسلے میں اگر نہایت ایمانداری اور غیر جانبداری سے کام لیا گیا ہوتا تو سپریم کورٹ کو بعد میں تنقید کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ بچوں کے لاپتہ ہونے کے واقعات پر کنٹرول کرنے کے لیے ایک قومی نیٹ ورک کی ضرورت ہے جو نہ صرف گمشدہ بچوں کی تفصیلات سنجیدگی سے درج کرے بلکہ ان کی واپسی کو بھی یقینی بنائے۔ ملک میں ایسے متعدد واقعات ہر روز پیش آتے رہے ہیں جن سے بچوں کی گمشدگی کا علم ہوتا ہے اور جس کے متعلق مرکزی اور ریاستی حکومتیں بھی باخبر ہوتی ہیں لیکن اس سلسلے میں اب تک کوئی ٹھوس اقدام نہیں کیا جاسکا ہے تاکہ اس غیر انسانی کاروبار میں ملوث افراد کو گرفتار کرکے انھیں سزا دی جائے اور ان گمشدہ بچوں کے والدین اور سرپرستوں کو ان کے بچے واپس دلائے جائیں۔ ملک میں غائب ہونے والے بچوں میں اس وقت تک کمی نہیں آئے گی جب تک قانون کو نافذ کرنے والے ادارے اور انصاف فراہم کرنے والی ایجنسیاں اس مسئلے سے جڑے معاملات کو اوّلیت نہ دیں گی۔ قانون کے نفاذ کی ایک بڑی خامی یہ بھی ہے کہ انسانی اسمگلنگ کرنے والے مافیاؤں اور استحصال کرنے والوں کے بارے میں اعداد وشمار اور اطلاعات بھی نہیں رکھی جاتیں۔

ہندستان کی آدھی کام کاجی آبادی قرضدار

ہندستان کی آدھی کام کاجی آبادی قرض دار ہے۔ تقریباً بیس کروڑ لوگوں نے کسی نہ کسی شکل میں لون لے رکھا ہے۔ کریڈٹ انفارمیشن کمیٹی (سی آئی سی) کی ایک رپورٹ میں کہا گیا کہ ملک کی کل ۴۰ کروڑ کام کاجی آبادی کے تقریباً نصف لوگ قرضدار ہیں جنھوں نے کم سے کم ایک قرض لیا ہے یا ان کے پاس کریڈٹ کارڈ ہے۔ ٹرانس یونین سول کی رپورٹ کے مطابق قرض دینے والے ادارے تیزی سے نئے صارفین کے لحاظ سے سیچوریشن اسٹیج کے قریب پہنچ رہے ہیں۔ رپورٹ میں مزید کہا گیا ہے کہ ایک اندازے کے مطابق جنوری ۲۰۲۰ء تک ہندستان کی کل کام کاجی آبادی ۴۰ء۰۷ کروڑ تھی جبکہ خردہ قرض بازار میں بیس کروڑ لوگوں نے کسی نہ کسی شکل میں قرض لیا ہے۔

غور طلب ہے کہ گزشتہ ایک دہائی میں بینکوں نے خردہ قرض کو ترجیح دی لیکن وبا کے بعد اس بلاک میں اضافے کو لے کر تشویش کا اظہار کیا جارہا ہے۔ سی آئی سی کے اعداد وشمار کے مطابق دیہی اور نصف شہری علاقوں میں ۱۸ سے ۳۳ سال کی عمر کے ۴۰ کروڑ لوگوں کے درمیان قرض بازار کے بڑھنے کے امکانات ہیں اور اس بلاک میں قرض کی توسیع صرف آٹھ فیصد ہے۔ خواتین قرض داروں کی تعداد آٹو قرض میں صرف پندرہ فیصد، ہوم لون میں ۳ فیصد، پرسنل لون میں ۲۲ فیصد اور کنزیومر ڈیورول لون میں ۲۵ فیصد ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ قرض لینے والے اقتصادی پریشانی کے وقت پہلے کریڈٹ سہولت پر ادائیگی کو ترجیح دیتے ہیں۔ سی آئی سی کے مینیجنگ ڈائریکٹر راجیش کمار نے کہا کہ تمام شعبوں میں اُبھرتے این ٹی سی صارفین کی شناخت کرنا اور ان کے لیے مالی مواقع تک پہنچ کو آسان بنانا ہمارے ملک میں اقتصادی خوشحالی اور اقتصادی تال میل کے لیے ضروری ہے۔

ماضی کے جھروکے سے
تاریخ ہند کا ایک ورق

ابوالمحاسن مولانا محمد سجادؒ (۲)

جو جمعیۃ علماء ہند کے پالیسی سازوں میں ایک اہم مقام کے حامل تھے

تحریر: مولانا محمد یلیین جہازی (جمعیۃ علماء ہند)

نومسلم لڑکے اور لڑکیوں کی تعلیم اور صنعت کے لیے تعلیم گاہ کی تجویز

شعبہ تبلیغیہ کے اسی اجلاس میں نومسلموں اور مسلمات کی تعلیم و تربیت اور صنعت و حرفت سکھانے کے لیے ایک درس گاہ کے قیام کی ضرورت پر تجویز پاس کرتے ہوئے ایک ایسی کمیٹی مقرر کرنے کا فیصلہ کیا گیا، جو اس درس گاہ کے قیام کی اسکیم اور ایسی تدابیر کی رپورٹ پیش کرے، جس کی وجہ سے غیر مستحقین پیشہ ور نومسلمانوں کا انسداد ہوجائے اور یہ کام کامیابی کے ساتھ جاری ہوسکے۔ اس کمیٹی میں (۱) مولانا محمد مظہر الدین صاحب (۲) مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب کے علاوہ تیسرا نام مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب کا ہی تھا۔ اور مولانا کا اس بات کا بھی ذمہ دار بنایا گیا کہ وہ ۳۰؍ستمبر ۱۹۲۴ء تک مسودہ تیار کرکے دہلی ارسال فرمائیں گے۔ اسی طرح اس جلسہ میں مولانا محمد منیر الزماں صاحب ناظم جمعیۃ علماء صوبہ بنگالہ کا خط پیش ہوا، جس میں صوبہ بنگال میں تبلیغ و اشاعت کا کام کرنے کے لیے ڈھائی ہزار روپے کی امداد طلب کی گئی تھی، اس پر غور ہوا اور طے ہوا کہ ایک وفد کلکتہ جاکر جماعت منتظمہ کے کارکنوں وغیرہم سے مل کر صوبہ بنگال کے تبلیغی کاموں کے متعلق رپورٹ پیش کرے۔ اس وفد میں بھی مولانا ابوالمحاسن صاحب شامل کیے گئے۔

انہدام مساجد بھرت پور کے خلاف ایکشن

مجلس عاملہ ۲۳ تا ۲۵ جون ۱۹۲۴ء میں انہدام مساجد بھرت پور راجستھان کے بارے میں بحث و گفتگو کی گئی۔ واقعہ یہ ہوا تھا کہ مساجد بھرت پور کی مسلسل انہدامی کارروائیوں کے خلاف وہاں کے راجہ کرشن سنگھ نے کوئی ایکشن نہیں لیا، تو جمعیۃ کا ایک سولہ رکنی وفد ان کے دربار میں پہنچا اور کسی رعب و خوف کے بغیر دس نکات پر مشتمل ایک ایڈریس پیش کیا، جس میں مساجد کی شرعی اہمیت و حرمت اور اس کے تحفظ کے حوالے سے تجاویز پیش کی گئی تھیں۔ اس وفد میں بھی مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب شامل تھے۔ (رپورٹ انہدام مساجد بھرت پور، ص۹)

چھٹے اجلاس عام کی صدارت

۱۱؍جنوری ۱۹۲۵ء کو جمعیۃ کا چھٹا اجلاس عام مرادآباد میں ہوا۔ اس کی صدارت ابوالمحاسن حضرت مولانا سید محمد سجاد صاحب نائب امیر الشریعہ صوبہ بہار واڑیسہ نے فرمائی۔ اس اجلاس کی تجویز نمبر ۲۴ میں عدم تعاون کے پروگرام پر غور کرنے کے لیے ایک سب کمیٹی مقرر کی گئی، جس میں وقت کے اکابرین کے ساتھ آپ کا نام نامی و اسم گرامی بھی شامل تھا۔

ساتویں اجلاس کی کامیابی پر خصوصی مشکور

کلکتہ میں جمعیۃ علماء ہند کے ساتویں اجلاس عام منعقدہ ۲۳ مارچ ۱۹۲۶ء میں ایک تجویز پاس کرکے، اجلاس کی شاندار کامیابی پر ایک طرف جہاں تمام علمائے کرام کا عموماً شکریہ ادا کیا گیا، وہیں مولانا احمد سعید صاحب ناظم جمعیۃ علماء ہند اور مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب نائب امیر الشریعت صوبہ بہار واڑیسہ کا خصوصی طور پر شکریہ ادا کیا گیا۔

مدارس عربیہ کے لیے ضروریات زمانہ کے مطابق نصاب

جمعیۃ علماء ہند کے آٹھویں سالانہ اجلاس منعقدہ ۲؍تا۴؍دسمبر ۱۹۲۷ء کی تجویز نمبر ۶ میں مسلمانوں کی مشغولیت اور کم فرصتی اور ضروریاتِ زمانہ کا لحاظ رکھتے ہوئے مدارسِ عربیہ دینیہ کے نصاب کو ایسے طور پر مرتب کرنے کی بات کہی گئی، جو ان کی مذہبی حالت کو درست کرنے اور مذہبی واقفیت بہم پہنچانے کے ساتھ ساتھ زمانہ کی ضرورتوں کو بھی ایک حد تک پورا کرسکے، اور تمام مدارسِ عربیہ دینیہ کا ایک نظام ہو، اور سب اسی نظام کی پابندی کریں تاکہ یہ تفرق اور انتشار جو مذہب و قوم کے لیے سب سے زیادہ مضرت رساں ہے، دور ہو اور منظم طور پر دینی تعلیم عام ہوجائے، اور تعلیم کا حقیقی فائدہ حاصل ہو۔ چنانچہ نصاب بنانے اور اسے مدارس عربیہ میں رواج دینے کی کوشش کرنے کے لیے جو کمیٹی تشکیل دی گئی، اس میں ایک نمایاں نام آپ کا بھی تھا۔

شاردا ایکٹ کی سفارشات سے متعلق ایک تجویز پاس کرتے ہوئے گورنمنٹ سے مطالبہ کیا گیا کہ "ان سفارشات کو مسلمانوں کے حق میں ہرگز قانونی شکل نہ دی جائے ورنہ مسلمان اس قانون کو ہرگز تسلیم نہ کریں گے اور جن صورتوں میں کوئی شرعی اجازت موجود ہوگی، اس میں قانون کی مزاحمت کی ہرگز پروانہ کریں گے۔

غیر اسلامی ہندستان میں قاضی کے تقرر کا مطالبہ

اسی اجلاس کی تجویز نمبر ۱۵ میں، غیر اسلامی ہندستان میں مسلمانوں کے نکاح، طلاق اور دیگر عائلی مسائل و مشکلات کے حل کے لیے بااختیار شرعی قاضی مقرر کرنے کے حوالے سے، گورنمنٹ سے اختیارات دینے کا مطالبہ کرنے کیلئے ایک کمیٹی بنائی گئی۔ اس کمیٹی میں بھی آپ کا نام شامل کیا گیا۔

بتیا فساد کے خلاف ایکشن

۴؍اگست ۱۹۲۷ء کو بتیا میں ہندومسلم فساد برپا ہوگیا۔ مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحبؒ اس وقت امارت شرعیہ پٹنہ میں تھے، وہ اطلاع پاتے ہی فوراً بتیا کے لیے روانہ ہوئے اور جائے حادثہ کا مکمل جائزہ لیتے ہوئے قانونی کارروائی کی کوشش کی۔

نہرو رپورٹ پر تنقید

۱۶؍اگست ۱۹۲۸ء کو نہرو رپورٹ شائع ہوئی۔ اس رپورٹ پر مفصل تبصرہ کرنے کے لیے جو سب کمیٹی بنائی گئی، اس میں حضرت مولانا ابوالمحاسن سجاد صاحبؒ نے نمایاں حصہ لیا۔

جمعیۃ کے صدر و ناظم کے استعفوں کا استرداد

جمعیۃ کی مجلس مرکزیہ کا ایک اجلاس ۱۱ او ۱۲ اگست ۱۹۲۹ء کو مرادآباد میں ہوا۔ اس اجلاس میں حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب نے فرمایا کہ چونکہ مجھے بعض چیزیں بحیثیت رکن پیش کرنی ہیں، اس لیے اس جلسہ کی صدارت کے لیے کسی دوسرے صاحب کو منتخب کرلیا جائے اور خود ہی مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجاد صاحب کو منتخب فرمایا، جسے ارکان نے منظور کیا۔ فرائض صدارت تفویض کرنے کے بعد مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب نے صدارت سے اور مولانا احمد سعید صاحب نے عہدہ نظامت سے استعفیٰ پیش کیا لیکن دونوں حضرات کے استعفیٰ نامنظور کردیئے گئے۔ اس نامنظوری کی تائید کرنے والوں میں آپ کا کردار سب سے نمایاں تھا۔

شاردا ایکٹ کی مخالفت

اسی اجلاس میں شاردا ایکٹ یعنی تحدید عمر ازدواج و مباشرت کی سفارشات سے متعلق ایک تجویز پاس کرتے ہوئے گورنمنٹ سے مطالبہ کیا گیا کہ "ان سفارشات کو مسلمانوں کے حق میں ہرگز قانونی شکل نہ دی جائے۔ ورنہ مسلمان اس قانون کو ہرگز تسلیم نہ کریں گے اور جن صورتوں میں کوئی شرعی اجازت موجود ہوگی، اس میں قانون کی مزاحمت کی ہرگز پروانہ کریں گے۔ اس تجویز کے اصل محرک حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحبؒ ہی تھے۔ جمعیۃ علماء ہند کی مجلس مرکزیہ کا اجلاس ۲۶ تا ۲۸؍اکتوبر ۱۹۲۹ء کو دہلی میں ہوا۔ اس اجلاس کی تجویز نمبر ۳ میں ساردا بل کو مسترد کرانے کے لیے ایک سب کمیٹی بنائی گئی۔ اس کمیٹی کا رکن آپ کو منتخب کیا گیا۔ چنانچہ آپ نے علی الفور ایک مسلم کانفرنس کرنے کی اپیل کی اور لوگوں کو مسلم پرسنل لاء کے تحفظ کے تئیں بیدار کیا۔ اسی طرح جمعیۃ علمائے صوبہ متحدہ کے اختلافات (جس کی وجہ سے وہاں دو جمعیتیں قائم ہوگئی تھیں) کو ختم کرانے کے لیے سہ رکنی کمیٹی میں آپ بھی شریک تھے۔ (جاری)

ریاستہائے متحدہ امریکہ کا نظام حکومت (۷)

ریاستہائے متحدہ امریکہ کا سربراہِ مملکت ایک منتخبہ صدر ہے۔ اس طرح سے اس میں موروثی بادشاہت کی گنجائش نہیں۔ دستور کی رو سے ہر امریکن ریاست میں اس قسم کی جمہوری حکومت کا ہونا لازمی ہے۔ دستور نے ایک نئے طرز کی حکومت کی بنیاد ڈالی جسے صدارتی حکومت (Presidental Form of Government) کہا جاتا ہے۔ صدر کو عوام یا جمہور بالواسطہ (Indirectly) چنتے ہیں۔ سارے انتظامی اختیارات اسی کو حاصل ہیں۔ وہ اپنی پالیسیوں کے لیے مقنّنہ یا کانگریس کے روبرو جواب دہ یا ذمہ دار نہیں۔ دستور کی ایک اور حقیقت دوہری شہریت (Daul Citizenship) ہے، یعنی ہر امریکن مرد اور عورت ریاستہائے متحدہ امریکہ کا بھی شہری ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس ریاست کا بھی کہ جہاں کا وہ باشندہ ہے۔ اس کے ارتقاء (Evolution) میں حسب ذیل عناصر کا بھی خاصا ہاتھ رہا ہے:

(۱) دستوری ترمیمیں (Constitutional Amendents) (۲) عام قانون (Laws) (۳) دستور کی عدالتی تشریح و تعبیر (Judicial Interpretaion of the Constitution) (۴) عاملہ (Executive) کی توسیع و ترقی (5) کنونشن یا رواج یا طور طریقے۔

ترمیم کرنے کا طریقہ بہت پیچیدہ اور سست رفتار ہے لیکن ان کی وجہ سے دستور کا خاصا ارتقاء ہوا۔ اب تک دستور میں صرف دو ترمیمیں ہوئی ہیں۔ ان ترمیموں کے ذریعے عام شہریوں کو بنیادی حقوق ملے، غلامی کا خاتمہ کیا گیا۔ گورے اور کالے لوگوں کو یکساں حقوق دیئے گئے۔ وفاقی یا مرکزی حکومت کو ٹیکس لگانے کا حق دیا گیا۔ شراب اور دوسری نشیلی چیزوں کو تیار کرنے، فروخت کرنے اور دوسرے علاقوں میں بھیجنے کی ممانعت کی گئی۔ عورتوں کو ووٹ دینے کا حق ملا۔ صدر کو دوسری میعاد کے لیے منتخب ہونے کا حق حاصل ہوا۔ اس طرح سے دستور میں خاص تبدیلیاں ان ترمیموں نے کیں۔

گاھے گاھے باز خواں......

ہفت روزہ الجمعیۃ ۱۶ سال پہلے

ماضی کے جھروکوں سے حال پر روشنی ڈالتے ہوئے مستقبل کا اشاریہ!

ہفت روزہ الجمعیۃ نئی دہلی

۷؍تا۱۳؍اکتوبر ۲۰۰۵ء

ملت کی فلاح و بہبود کیلئے جمعیۃ علماء ہند کا تعاون کیجئے

رمضان المبارک کے مقدس ماہ میں جمعیۃ علماء ہند اپنے بہی خواہوں، ہمدردوں اور مسلم مخیّر بھائیوں سے تعاون کی اپیل کرتی ہے۔ اس سلسلے میں ہفت روزہ الجمعیۃ کے مدیر تحریر ایم ایس جامعی نے بھی ایک اداریہ تحریر کیا تھا جو حسب ذیل ہے۔

جمعیۃ علماء ہند ایک ایسا شجر سایہ دار ہے جس سے اپنے اور پرائے سب ہی برابر فیضیاب ہورہے ہیں۔ ہندستان کی مسلم تنظیموں میں جمعیۃ علماء ہند کو یہ شرف و امتیاز حاصل ہے کہ اس نے اپنے قیام کے روز اوّل ہی سے ہندستانی مسلمانوں کی زندگی کے ہر شعبہ میں رہنمائی کا بھرپور فریضہ انجام دیا ہے۔ آزادی سے پہلے انگریزی سامراج کے جبر و ظلم کا مقابلہ کرتے ہوئے اس نے مسلمانوں کے دینی و ملی تشخص کی حفاظت کی اور جب جب فرنگی ظالموں اور غاصبوں کے ذریعہ مسلمانوں کے تشخص کو فنا کرنے کی کوشش کی گئی تو جمعیۃ علماء ہند نے اس کے سامنے سینہ سپر ہوکر اس کا مقابلہ کیا اور یہ کہنا کوئی مبالغہ نہ ہوگا کہ اس نے اپنی جدوجہد کے ذریعہ انگریزی سامراج کو پسپائی پر مجبور کردیا اور یہ ثابت کردیا کہ دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی مسلمانوں کے دین و ایمان اور مذہب کو ان سے نہیں چھین سکتی۔

مختلف مذاہب کے مابین شادیوں کا معاملہ ہو یا عیسائی مشنریوں کی یلغار، فتنۂ ارتداد کی سرپرستی ہو یا حج بیت اللہ پر قدغن لگانے کا معاملہ جمعیۃ علماء ہند نے ہندستانی مسلمانوں کو کسی بھی موقع پر بے یار و مددگار نہیں چھوڑا اس نے ایک طرف برطانوی سامراج کے جبر و استبداد کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور دوسری طرف خود مسلمانوں کی دینی، شرعی اور سیاسی رہنمائی کا فریضہ بھی انجام دیتی رہی۔ یہ جمعیۃ علماء ہند کا ایک ایسا شاندار کارنامہ ہے جسے آنے والا کوئی بھی مؤرخ نظرانداز نہیں کرسکتا اور جمعیۃ علماء ہند کے یہ ہی وہ کارنامے ہیں جو پوری دنیا میں آج ریسرچ کا موضوع بنے ہوئے ہیں۔

طویل جدوجہد کے بعد ۱۹۴۷ء میں ملک آزاد ہوا مگر یہ آزادی اپنے ساتھ تقسیم وطن کا کربناک سانحہ بھی لے کر آئی جس کے نتیجہ میں جہاں لاکھوں لوگ ترکِ وطن کرکے دوسرے ملک میں چلے گئے وہیں تبادلۂ املاک بھی ایک بڑا مسئلہ بن کر نمودار ہو۔ ااس مسئلہ کے حل کے لیے حکومت نے کسٹوڈین کا محکمہ قائم کیا جس نے انتہائی جانبداری اور سنگدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مسلمانوں کو بُری طرح جبر و استبداد کا نشانہ بنانا شروع کردیا اور مسلمانوں کی خون پسینہ کی کمائی سے بنائی گئی جائیدادوں، دُکانوں اور مکانوں کو خود اُن کی آنکھوں کے سامنے ٹکے کے بھاؤ نیلام کرنا شروع کردیا۔ اس وقت جس جماعت اور اس کے سربراہوں نے مسلمانوں کی دادرسی کا فریضہ انجام دیا وہ جمعیۃ علماء ہند اور اس کے اکابر ہی تھے۔ انھوں نے ظالم افسروں کے بے درد قلم کو پکڑا اور انھیں مجبور کردیا کہ وہ انصاف سے کام لیں۔ جمعیۃ علماء ہند کی یہ کوشش کامیاب ہوئی اور کسٹوڈین کا محکمہ توڑ دیا گیا۔ یہاں یہ کہنا کوئی مبالغہ آرائی نہ ہوگی کہ آج جو مسلمان اپنی جائیدادوں پر بیٹھے ہوئے ہیں یہ جمعیۃ علماء ہند اور اس کی جانباز قیادت کا ہی صدقہ ہے۔

ابھی مسلمانوں کو کسٹوڈین کی چیرہ دستیوں سے سکون میسر بھی نہیں آسکا تھا کہ ان کے اوقاف پر مصیبتوں کے پہاڑ توڑے جانے لگے۔ جمعیۃ علماء ہند اور اس کے اکابر میدان میں آئے، انھوں نے رائے عامہ ہموار کرکے حکومت کو ایک قانون بنانے پر مجبور کیا جو وقف قانون کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ قانون بڑی حد تک اوقاف کے تحفظ کے لیے مددگار ثابت ہوا اور کم ازکم اوقاف عوامی خرد برد سے محفوظ ہوگئے۔

ہندستان میں فرقہ وارانہ فسادات اور فرقہ پرست عناصر کی شرانگیزی کا معاملہ ہو یا مسلمانوں کی شہریت کا معاملہ، تحفظ شریعت کا مسئلہ ہو یا مسلمانوں کے دینی، تعلیمی و معاشی مسائل کے حل کا مسئلہ، مسلمانوں کے عصری مسائل ہوں یا ان میں در آئی برائیوں کے خاتمہ کی جدوجہد کے لیے اصلاحِ معاشرہ پروگرام، مسلمانوں کی عصری تعلیم کا مسئلہ ہو یا ان کے آئینی و شہری حقوق کے تحفظ کی جدوجہد نیز بیوگان کی امداد، معاشی و اقتصادی طور پر کمزور مسلم طلباء کے لیے وظائف، دینی مدارس کے طلباء کا تعاون، مکاتب کی امداد، شعبۂ اصلاح المسلمین، فرق باطلہ کا مقابلہ، بابری مسجد، مسلم پرسنل لاء اور فرقہ وارانہ فسادات نیز دیگر زمینی و آسمانی مصائب کے شکار لوگوں کی ریلیف، جمعیۃ علماء ہند کی تاریخ کے وہ جلی عنوان ہیں جن سے ہر شخص واقف ہے۔ مغربی بنگال اور اُڑیسہ کے تباہ کن سیلاب اور گجرات کے ہولناک زلزلے نیز گجرات، تاملناڈو، آندھرا پردیش اور سری لنکا کے سنامی متاثرین کی امداد کے ساتھ متاثرین کے لیے مکانات کی تعمیر اور ان کے لیے روزگار کا انتظام اور مہاراشٹر و ممبئی کے حالیہ سیلاب سے تباہ و برباد ہوجانے والے لوگوں کے لیے ریلیف کا نظم جمعیۃ علماء ہند کی خدمات کی ایسی روشن مثالیں ہیں جنھیں رات کے اندھیرے میں بھی بخوبی دیکھا جاسکتا ہے۔

گجرات کے زلزلہ زدہ علاقہ کچھ، بھج اور انجار نیز ۲۰۰۲ء کے فساد زدہ علاقوں میں مسلسل کئی سالوں سے جمعیۃ علماء ہند ریلیف کے جو کارہائے نمایاں انجام دے رہی ہے وہ صرف اور صرف جمعیۃ علماء ہند کا ہی حصّہ ہے۔ انجار میں چلڈرن ویلج، موبائل ہاسپٹل مدنی گرلس ہاسٹل اور زلزلہ سے متاثر لوگوں کے لیے دیگر امدادی اقدامات نیز گجرات کے مسلم کُش فسادات میں متاثرین کی قانونی و مالی امداد اور باز آبادکاری، مسجدوں، اسکولوں اور مکتبوں پر مشتمل مختلف کالونیوں میں پانچ ہزار سے زائد مکانات کی تعمیر اور بہت سے تعلیمی و تعمیری کام جاری ہیں جن کے لیے آپ کے تعاون کی ضرورت ہے۔

جمعیۃ علماء ہند کی خدمات کا یہ سلسلہ صرف ہندستان تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ اس نے ہندستانی مسلمانوں کو رشتۂ اخوت میں منسلک کرنے کے لیے پوری اسلامی دنیا کے مسائل سے دلچسپی لی ہے۔ فلسطین کا مسئلہ ہو یا عراق و کویت کا، صومالیہ کے مسلمانوں کے معاملات ہوں یا تھائی لینڈ، افغانستان، چیچنیا، کوسووا اور بوسینیا کے مسلمانوں کے مسائل جمعیۃ علماء ہند نے اُن تمام ممالک کے مسلمانوں کے ساتھ اظہار یک جہتی کرکے پوری دنیا میں ہندستانی مسلمانوں کا نام روشن کیا ہے۔

جمعیۃ علماء ہند تو اس سے بھی کہیں آگے جانا چاہتی ہے۔ اس کے تعمیری و اقتصادی منصوبے اگر آپ ملاحظہ فرمائیں تو اس کی منصوبہ بندی اور ملّی تعمیر و ترقی کیلئے فکرمندی پر آپ حیران رہ جائیں گے مگر افسوس کہ اس کے پاس ان منصوبوں کی تکمیل کے لیے سرمایہ اور فنڈ کی اس قدر کمی ہے کہ وہ ہزار خواہشوں کے باوجود جب تک اسے ملت اسلامیہ کا بھرپور تعاون حاصل نہ ہو وہ (باقی صہ۱۴ پر)

عالمِ اسلام

سعودی عرب میں ۲۰۳۰ء تک سالانہ سو ملین سیاح لانے کا ہدف

سعودی عرب علاقائی اور بین الاقوامی سیاحوں کے لیے ایک سیاحتی مقام بن گیا ہے اور مملکت کا سیاحتی شعبہ متعدد پروگراموں کا اعلان کرکے مستقبل کی رفتار کو تیز کر رہا ہے۔ عرب نیوز کے مطابق سعودی سیاحت جغرافیائی اور تاریخی تنوع پیش کرتی ہے جس میں قدرتی وسائل، آثار قدیمہ کے خزانے اور تاریخی مقامات کو اجاگر کیا جاتا ہے جو سیاحوں کی امنگوں کو پورا کرتے ہیں۔ کورونا کی عالمی وبا سے پہلے چار لاکھ ۵۰ ہزار سیاحتی ویزا جاری کیے گئے تھے۔ مملکت کی ٹورزم اتھارٹی نے ۲۰۱۹ء میں ابتدائی مرحلے میں ۴۹ ممالک میں سیاحتی ویزا پروگرام شروع کیا تھا اور الیکٹرانک یا مملکت میں داخلے کے مقامات کے ذریعے مخصوص ریگولیٹری کنٹرول میں سیاحتی ویزوں تک رسائی کی سہولت فراہم کی تھی۔ سعودی عرب نے ۲۰۳۰ء تک سیاحوں کی سالانہ تعداد سو ملین بڑھانے کے لیے مملکت کے وژن ۲۰۳۰ء کے اہداف کے مطابق کارکردگی کے اشارے مرتب کیے جن میں سے ۵۵ ملین اندرون ملک اور ۴۵ ملین ڈومیسٹک، ایک ملین ملازمت کے مواقع فراہم کیے جس سے ملک کے جی ڈی پی میں دس فیصد اضافہ ہوا۔

بیرون ملک سے آنے والے عمرہ زائرین کے لیے ضوابط کیا ہیں؟

سعودی عرب میں وزارت حج وعمرہ کے ترجمان ہشام سعید نے کہا ہے کہ سعودی عرب نے یکم محرم سے بیرون مملکت سے عمرہ زائرین کو آنے کی مشروط اجازت دی ہے۔ سعودی چینل ون کے معروف پروگرام 'صباح الخیر یا مصر' (صبح بخیر اے مصر) میں ہشام سعید نے بتایا کہ ۲۵ رجولائی سے داخلی عمرہ زائرین کو اجازت نامے جاری کیے جا رہے ہیں۔ عمرہ ویزوں کی کارروائی شروع کر دی گئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ رہائش، ٹرانسپورٹ اور کھانے پینے کے پیکیج فراہم کیے جائیں گے۔ عمرہ زائرین ماہ محرم کے شروع سے مملکت آسکتے ہیں۔ ہشام سعید نے بتایا کہ بیرونی عمرہ زائرین کے لیے اہم شرط یہ ہے کہ عمر ۱۸ سال سے کم نہ ہو۔ سعودی فوڈ اینڈ ڈرگ اتھارٹی (ایس ایف ڈی اے) سے منظور شدہ ویکسینوں میں سے کوئی ایک ویکسین لگوالی ہو۔ یاد رہے کہ سعودی فوڈ اینڈ ڈرگ اتھارٹی نے فائزر، ایسٹرازینکا، جانسن اینڈ جانسن اور موڈرنا سمیت چار ویکسینوں کی منظوری دی ہے۔ وزارت حج وعمرہ کے ترجمان نے مزید کہا کہ کورونا وبا کے باعث بعض ممالک سے براہ راست عمرہ زائرین کی سعودی عرب آمد پر پابندی برقرار رہے گی البتہ کسی ایسے ملک سے جس پر پابندی نہ ہو سفر کرکے اور وہاں چودہ دن گزار کر عمرہ زائرین مملکت آسکتے ہیں۔ آنے سے قبل میڈیکل چیک اپ کے ذریعے وائرس سے پاک ہونے کا اطمینان کرنا ہوگا۔

ارب پتی بزنس مین نجیب میکاتی لبنان کے وزیر اعظم نامزد

لبنان کی پارلیمنٹ کے ارکان نے ارب پتی نجیب میکاتی کو وزیر اعظم نامزد کر دیا ہے۔ ارب پتی بزنس مین نجیب میکاتی کو اراکین پارلیمان نے وزیر اعظم نامزد کرکے حکومت سازی کا ٹاسک دیا ہے تاکہ ایک سال سے جاری سیاسی بحران کا خاتمہ ہو جس نے ملک میں جاری معاشی بحران کو بھی شدید تر کر دیا ہے۔ خیال رہے میکاتی پہلے بھی دو دفعہ وزیر اعظم رہ چکے ہیں اور آخری بار وہ ۲۰۱۴ء میں حکومت میں تھے۔ نجیب میکاتی کو وزیر اعظم نامزدگی کے لیے ۷۲ ارکان کی واضح اکثریت ملی۔

سیلف ڈیفنس - ایک قانونی حق

تحریر: غلام مصطفی النعیمی

انسانی جان کا تحفظ دنیا کے تمام ممالک میں انسان کا بنیادی حق مانا گیا ہے۔ ہمارے وطن میں بھی انسانی جان کو قانونی تحفظ فراہم کیا گیا ہے تاکہ سماج دشمن عناصر کی تخریب کاریوں سے معاشرہ محفوظ رہ سکے۔ اسے Right of Self Defense 'اپنے دفاع کا حق' کہا جاتا ہے۔

تعزیراتِ ہند کی دفعات ۹۶ تا ۱۰۶ میں حق دفاع (رائٹ ٹو سیلف ڈیفنس) پر بحث کی گئی ہے جس میں کل گیارہ دفعات شامل ہیں۔ ان دفعات کے تحت ان اسباب وعوامل کا ذکر کیا گیا ہے جن کی موجودگی میں کسی بھی شخص کو اپنے دفاع کا حق حاصل ہوتا ہے۔ حملہ روکنے اور اپنے دفاع کے لیے ضروری طاقت کے استعمال کی اجازت ہے۔ اگر اس طاقت کے استعمال کے نتیجے میں مدمقابل کا جانی یا مالی نقصان ہوتا ہے تو یہ دفاع کرنے والے کے حق میں جرم نہیں مانا جائے گا، کیونکہ سیلف ڈیفنس کے تحت یہ اس کا قانونی حق ہے۔

سیلف ڈیفنس کی قانونی تشریح

سیلف ڈیفنس قانونی حق ہونے کے ساتھ ساتھ ہر شخص کا بنیادی حق (Fundamental Right) بھی ہے۔ سپریم کورٹ نے کئی فیصلوں میں اس پر زور دیا ہے کہ رائٹ ٹو سیلف ڈیفنس انسان کا بنیادی حق ہے۔ قانون حق دفاع کے ساتھ کچھ ہدایات بھی ذہن نشین رہیں:

(۱) یہ قانون ہر شخص کو اپنی بیوی بچوں، اپنی جائیداد اور دوسروں کی جان وجائیداد کی حفاظت کا حق دیتا ہے جبکہ حملے کے وقت دفاع کے علاوہ کوئی اور صورت موجود نہ ہو۔

(۲) سیلف ڈیفنس کا حق انتقام لینے یا کسی کو نقصان پہنچانے کے لیے نہیں ہے، اس کا مطلب صرف اپنا دفاع ہے، بالفاظ دیگر حق دفاع ڈھال ہے تلوار نہیں۔

(۳) یہ حق اسی وقت تک حاصل ہے جب تک خطرے کے شدید خدشات ہوں، خطرہ سامنے ہو یا حملہ ہونے والا ہو، اگر خطرہ ٹل جاتا ہے تو یہ حق ختم ہو جاتا ہے۔

سیلف ڈیفنس کی اہم دفعات کی قانونی تشریح ملاحظہ فرمائیں:

دفعہ ۹۶: اس کے تحت اپنے دفاع کے لیے کیا گیا کوئی بھی کام جرم کے دائرے میں نہیں آتا۔

دفعہ ۹۷: اس کے تحت ہر فرد کو کسی ایسے جرم سے خود کو یا کسی اور کو بچانے کا حق حاصل ہے جو جسم کو نقصان پہنچاتا ہو نیز اس دفعہ کے تحت چوری، ڈکیتی، نقصان رسانی، مجرمانہ طور پر جائیداد میں دخل اندازی یا ان جرائم کی کوششوں سے جائیداد کے دفاع کا حق بھی حاصل ہے۔ جائیداد اپنی ہو یا کسی اور کی، منقولہ ہو یا غیر منقولہ مثلاً آپ نے رات کے وقت دیکھا کہ کچھ لوگ آپ کی دکان یا مکان کا تالا توڑنے کی کوشش کر رہے ہیں، بھلے تالا نہیں کھلا، نہ ہی وہ لوگ دکان میں داخل ہوئے ہیں مگر تب بھی آپ کو اپنی دکان/مکان کی حفاظت کے لیے ان پر حملہ کرنے کی اجازت ہے۔ آپ کا یہ عمل حق دفاع مانا جائے گا اور جرم کے زمرے میں نہیں آئے گا۔

دفعہ ۹۸ کے تحت دماغی طور پر کمزور، مخبوط الحواس، پاگل شخص کے خلاف بھی دفاع کا حق حاصل رہے گا چاہے ان کا عمل جرم کے زمرے میں آتا ہو یا نہ آتا ہو، مثلاً کسی شخص نے پاگل پن کے زیر اثر دوسرے پر قاتلانہ حملہ کیا تو دوسرے شخص کو دفاع کا بھرپور حق حاصل رہے گا۔ اسی طرح غلط فہمی، حملہ آور کا کم عمر ہونا، حملہ آور کا نشہ میں ہونا وغیرہ مقابل کے حق دفاع کو ختم نہیں کرتا۔

دفعہ ۹۹ کے تحت ان امور کو بیان کیا گیا ہے جن میں حق دفاع حاصل نہیں ہوگا۔ جب تک مناسب وجوہات سے اس کا یقین نہ ہو جائے کہ جان کا خطرہ یا شدید زخمی ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ مثلاً سرکاری ملازمین (پولیس، انکم ٹیکس، فوج وغیرہ) کے خلاف حق دفاع حاصل نہیں جب کہ وہ اپنی ڈیوٹی کر رہے ہوں۔

دفعہ ۱۰۰: یہ دفعہ حق دفاع میں سب سے اہم ہے، اس کے تحت ان اسباب ووجوہات کا تذکرہ ہے جن کی بنا پر کوئی بھی شخص اپنا حق دفاع استعمال کرتے ہوئے حملہ آور کی جان بھی لے سکتا ہے یا اس کو شدید نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اس دفعہ کے مطابق سات جرائم ایسے ہیں جن کے خلاف اپنی جان کے دفاع کا انتہائی حق حاصل ہوگا، وہ سات جرائم حسب ذیل ہیں:

(۱) ایسا حملہ جس کی شدت سے ظاہر ہو کہ اگر اس کا دفاع نہ کیا گیا تو خود کی جان جاسکتی ہے۔

(۲) حملہ ایسا ہو جس کا دفاع نہ کیا جائے تو خود کے شدید زخمی ہونے کا قوی اندیشہ ہو۔

(۳) زنا بالجبر کی نیت سے حملہ کرنے والے کا دفاع۔

(۴) غیر فطری شہوت کی نیت سے کیے جانے والے حملے کا دفاع۔

(۵) اغوا کرنے کی نیت سے کیے جانے والے حملے کا دفاع۔

(۶) حبس بے جا میں رکھنے کی نیت سے کیے جانے والے حملے کا دفاع بشرطیکہ اسباب وعوامل سے ظاہر ہو کہ دفاع کیے بغیر خارجی مدد کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

(۷) تیزاب کے حملے سے بچنے کا دفاع۔ اس صورتِ حال میں حملہ آور کی جان لی جاسکتی ہے بشرطیکہ صورتِ حال ایسی ہو کہ بغیر دفاعی حملہ کیے خود کی جان نہیں بچائی جاسکتی۔

مذکورہ بالا مواقع میں حملہ آور کی بالارادہ و بالقصد جان لینے والا شخص قتل کا مجرم نہیں کہلائے گا۔ یہ بات واضح رہے کہ مذکورہ جرائم خود پر ہوں یا کسی اور پر ہر دو صورت میں دفاع کا حق حاصل رہے گا۔ مثلاً آپ نے اپنے پڑوس میں دیکھا کہ ایک شخص دوسرے کو قتل کر رہا ہے اور آپ کو یقین ہے کہ فوراً کوئی کارروائی نہ کی گئی تو قاتل کامیاب ہو جائے گا۔ ایسے میں دوسرے شخص کی جان بچانے کے لیے اگر آپ پہلے فرد پر گولی چلائیں یا شدید زخمی کر دیں تو آپ مجرم نہیں مانے جائیں گے کیونکہ ایسا کرنا آپ کا قانونی حق ہے۔

دفعہ ۱۰۳: اس دفعہ کے تحت چار جرائم کی صورت میں جائیداد کے دفاع میں حملہ آور کی بالقصد و بالارادہ جان لینے کی اجازت ہوگی، وہ چار جرائم یہ ہیں:

(۱) ڈکیتی (۲) رات کے وقت نقب زنی (۳) انسانی استعمال میں موجود عمارت یا خیمہ میں آگ لگانا (۴) ایسی چوری یا غیر قانونی مداخلت جس کے تعلق سے یقین ہو کہ اگر دفاع نہ کیا جائے تو جان کا خطرہ ہے۔

دفعہ ۱۰۶: سیلف ڈیفنس کی آخری اور اہم دفعہ میں اس نکتہ پر بحث کی گئی ہے کہ اگر جان کا دفاع کرتے وقت یہ محسوس ہو کہ کوئی غیر متعلق فرد بھی دفاعی حملے کی زد میں آسکتا ہے تو کیا دفاع کا حق استعمال کیا جائے گا یا نہیں؟ تعزیراتِ ہند میں اس مسئلہ کو ایک دلچسپ مثال سے واضح کیا گیا ہے۔ مثال کے مطابق اگر کسی شخص پر کوئی بھیڑ قاتلانہ حملہ کر دے اور اس بھیڑ میں بچے وغیرہ بھی شامل ہیں، مقابل اپنے دفاع کا حق گولی چلائے (یا اندھا دھند تلوار چلائے) بغیر استعمال نہیں کر سکتا ہے تو اپنے حق کے استعمال کی صورت میں اگر کوئی غیر متعلق مر جائے یا اسے نقصان پہنچ جائے تو مقابل شخص کا یہ عمل جرم کے دائرے میں نہیں آئے گا، حالانکہ وہ غیر متعلق صرف بھیڑ کا حصہ تھے حملہ آور نہیں تھے۔

یہ بھی ذہن نشین رہے کہ مقدمے کے دوران آپ کو یہ ثابت کرنا پڑے گا کہ آپ کا اقدام صرف سیلف ڈیفنس کے لیے تھا، کوئی اور منشا یا سازش نہیں تھی۔ اگر آپ عدالت میں یہ ثابت کر دیتے ہیں کہ آپ نے جو کچھ کیا وہ اپنے دفاع میں کیا تو آپ کو رائٹ ٹو سیلف ڈیفنس کے تحت قانونی رعایت مل جائے گی۔

موجودہ دور میں سیلف ڈیفنس کی اہمیت

موجودہ حالات میں سیلف ڈیفنس کی اہمیت وضرورت بہت زیادہ بڑھ گئی ہے کیونکہ سماج دشمن عناصر اور قانون سے کھلواڑ کرنے والے غنڈے بدمعاش جا بجا خواتین کے ساتھ بدتمیزی کرتے ہیں، راہ گیروں پر حملہ کرکے جانی ومالی نقصان پہنچاتے ہیں۔ یہ غنڈے بدمعاش جھنڈ کے جھنڈ میں آتے ہیں اس لیے جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت کے لیے سیلف ڈیفنس کا آنا بیحد ضروری ہے، اس ضمن میں چند نکات درج کیے جاتے ہیں تاکہ ان پر عمل کرکے کسی ناگہانی مصیبت سے خود کو اور دوسروں کو بچا سکیں۔

سب سے پہلے تو خود کو ذہنی طور پر مضبوط رکھیں، حواس پر قابو رہے، اکیلے بھی ہوں تو خوف زدہ نہ ہوں اور آپ کی باڈی لینگویج بہادرانہ ہو بزدلانہ نہ ہو۔ آنکھ، ناک، کان بیدار اور کھلے رکھیں، حملے کا خدشہ محسوس ہو تو قرب وجوار میں محفوظ راستہ اور کچھ ایسے سامان تلاشیں جس سے آپ حملہ آوروں کو کچھ دیر تک روک سکیں یا وہاں سے نکل سکیں۔

اسکولی لیول سے ہی لڑکے لڑکیوں کو سیلف ڈیفنس کی ٹریننگ دی جائے تاکہ وہ کسی حملے کے وقت اپنی حفاظت کرسکیں۔ سماجی تنظیمیں مختلف مواقع پر عام لوگوں کے لیے سیلف ڈیفنس کی ٹریننگ کا استعمال ضرور کریں تاکہ عام انسان بھی بوقت حملہ خود کو بچا سکیں۔ محرم وغیرہ کے موقع پر چلنے والے اکھاڑوں میں سیلف ڈیفنس کی ٹریننگ دی جائے اور لوگوں کو اس حوالے سے بیدار کیا جائے۔ جو لوگ تعلیمی یا کاروباری غرض سے زیادہ تر سفر میں رہتے ہیں، ان لوگوں کو ترجیحی طور پر سیلف ڈیفنس کی تربیت ضرور لینا چاہیے۔ دورانِ سفر اپنے ساتھ ایسا حفاظتی سامان ضرور رکھیں جو قانونی طور پر درست ہو، مثلاً پیپر اسپرے، مرچی پاؤڈر وغیرہ اگر کہیں بدمعاشوں کے نرغے میں گھر بھی جائیں تو ہمت وبہادری سے کسی ایک کو ٹارگیٹ کریں تاکہ دوسرے لوگ خوف زدہ ہو جائیں۔ جھنڈ میں آنے والے اکثر بزدل ہوتے ہیں، مضبوط جواب ملتے ہی بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔

سیلف ڈیفنس کے بہت سارے طریقے یوٹیوب کے ذریعے بھی سیکھے جاسکتے ہیں مگر ان کی عملی مشق ضروری ہے۔ اس لیے زیادہ بہتر یہی ہے کہ کسی ٹرینر سے سیکھا جائے اور پھر ہلکی پھلکی مشق کی جاتی رہے تاکہ ضرورت کے وقت آپ خود کو غنڈے بدمعاشوں سے بچا سکیں۔ سماجی تنظیموں کو چاہیے کہ وہ آگے آئیں اور جرائم فری معاشرہ بنانے میں اپنا کردار ادا کریں۔ (بعض نکات کی قانونی تشریح میں ایڈوکیٹ نوید سیف کے افکار سے استفادہ کیا گیا ہے)□□

اسکولی لیول سے ہی لڑکے لڑکیوں کو سیلف ڈیفنس کی ٹریننگ دی جائے تاکہ وہ کسی حملے کے وقت اپنی حفاظت کرسکیں۔ سماجی تنظیمیں مختلف مواقع پر عام لوگوں کے لیے سیلف ڈیفنس کی ٹریننگ کا استعمال ضرور کریں تاکہ عام انسان بھی بوقت حملہ خود کو بچاسکیں۔ جو لوگ تعلیمی یا کاروباری غرض سے زیادہ تر سفر میں رہتے ہیں، ان لوگوں کو ترجیحی طور پر سیلف ڈیفنس کی تربیت ضرور لینا چاہیے۔

مودی کے وزیر نے غلط جانکاری دے کر پارلیمنٹ کو گمراہ کیا، جلد لایا جائے گا استحقاق کا نوٹس: کانگریس

مرکزی حکومت کے ذریعہ پارلیمنٹ میں یہ جانکاری دیئے جانے کے بعد ہنگامہ برپا ہے کہ کورونا کی دوسری لہر کے دوران آکسیجن کی کمی کے سبب کوئی موت نہیں ہوئی۔ اب اس سلسلے میں کانگریس نے وزیر مملکت برائے صحت پروین پوار پر غلط اطلاع دے کر پارلیمنٹ کو گمراہ کرنے کا الزام عائد کیا ہے۔ انھوں نے کہا ہے کہ آکسیجن کی کمی کے سبب کوئی موت نہ ہونے کی بات غلط ہے اور وزیر کے خلاف استحقاق کا نوٹس جلد جاری کیا جائے گا۔ میڈیا سے بات چیت کے دوران کانگریس لیڈر کے سی وینوگوپال نے یہ بات کہی۔ کانگریس لیڈر نے کہا کہ یہ ایک اندھی اور بے فکر حکومت ہے۔ لوگوں نے دیکھا ہے کہ آکسیجن کی کمی کے سبب کتنے اپنوں کی موت ہوئی ہے۔ یہاں قابل ذکر ہے کہ وینوگوپال کے ایک سوال کے جواب میں ہی مذکورہ وزیر نے ایوان میں آکسیجن کی کمی سے کوئی موت نہ ہونے پر مبنی جواب دیا تھا۔ وینوگوپال نے کہا کہ سبھی نے دیکھا ہے کہ قومی راجدھانی سمیت کئی ریاستوں میں آکسیجن کی کمی کے سبب لوگوں کی موت کیسے ہوئی۔ کے سی وینوگوپال نے کہا کہ دراصل وزیر نے ایوان کو گمراہ کیا ہے اور میں یقینی طور پر اس وزیر کے خلاف استحقاق کا نوٹس پیش کروں گا کیونکہ وزیر نے غلط جانکاری دے کر ایوان کو گمراہ کیا۔ یہاں قابل ذکر ہے کہ حکومت نے راجیہ سبھا کو مطلع کیا تھا کہ کووڈ کی دوسری لہر کے دوران ریاستوں اور مرکز کے زیر انتظام خطوں کے ذریعہ آکسیجن کی کمی کے سبب کسی بھی موت کی اطلاع نہیں دی گئی تھی۔

قرآن مجید پر عمل - ایک منفرد تجربہ

تحریر: سمیہ رمضان
ترجمہ: ارشاد الرحمان

انسان جب مخالف سمت میں محوِ سفر ہو تو اس کو تھکاوٹ کے سوا کیا حاصل ہو سکتا ہے، نہ وہ منزل کو پا سکتا ہے اور نہ منزل اس سے قریب ہو سکتی ہے، ہمارا حال بھی کچھ ایسا ہی ہے کہ قرآن مجید کا نسخہ ہدایت ہمارے گھروں کی زینت ہے، لائبریریوں میں موجود ہے، گاڑیوں میں رکھا ہوتا ہے، غرض یہ کہ قرآن ہر جگہ موجود ہوتا ہے، ہم جدید وقدیم ہر ذریعے سے اس کو سن اور تلاوت کر سکتے ہیں۔ ہم میں سے کثیر تعداد اس کی تعلیم اس لیے حاصل کرتی ہے کہ وہ اس کو ناظرہ پڑھ سکیں، زبانی یاد کر سکیں، ہم اس قرآن کو نمازوں میں سنتے اور پڑھتے ہیں، خود بھی سال بھر بلکہ ساری زندگی اس کی تلاوت کرتے ہیں، یہ سب کچھ ضروری ہے، بہت قابل رشک ہے، مگر سوال یہ ہے کہ ہم یہ سب کچھ کیوں کرتے ہیں؟ کیا اس لیے کہ قرآن کو ہم اپنے لیے وہ دستورِ حیات سمجھتے ہیں جو ہمارے خالق و مالک نے ہمارے لیے نازل کیا ہے اور اس کو اپنی زندگیوں میں نافذ کرنے کا حکم دیا ہے؟ کیا ہم واقعی دنیا اور اس کے بچھے ہوئے جال سے بچ کر خوشنودیٔ رب اور سعادت دارین کی خاطر ایسا کرتے ہیں؟

قابلِ تعریف بات تو یہی ہے کہ ایسا ہی ہو، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ جگہ جگہ درس قرآن کی محافل منعقد ہوتی ہیں، لوگ ایسی آیات کے دروس سننے کے لیے ذوق وشوق سے آتے ہیں، جو آیات محبت الٰہی پر اُبھارتی ہوں، ان میں سامعین کی دلچسپی بہت گہری ہوتی ہے لیکن جونہی آپ ان سے کسی ایسی آیت پر گفتگو کریں، جو انسانی عادات اور معاشرتی رویوں کے خلاف ہو، تو لوگوں کے ذہن ایسی باتوں کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے، بیش تر معاشروں میں کسی آیت کے نفاذ کو لوگ اہمیت نہیں دیتے ہیں، حالانکہ یہ معاشرے اسلامی ہوتے ہیں، اور اس لحاظ سے ان کے رسوم ورواج اور عادات واطوار تو بالکل آیات قرآن سے متصادم نہیں ہونے چاہئیں، افسوس کے ساتھ میں آپ کو ایک ایسے ہی واقعے سے متعارف کروانا چاہتی ہوں تا کہ ایسے معاشرتی رویوں کی خطرناکی واضح ہو سکے جن کی اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی مگر وہ ہمارے معاشروں کی اقدار، روایات، رواج اور غرض و عادت کے طور پر فرض کا درجہ حاصل کر چکے ہیں۔

ایک خاتون اچھے مشاہرے پر ملازم تھی، ایک طویل انتظار کے بعد اس کی شادی ہوئی، اللہ تعالیٰ نے اس کو اولاد کی نعمت سے نوازا، وہ اپنے بچوں کے درمیان ایک خوشگوار احساس لیے زندگی بسر کر رہی تھی، مگر ایک روز ایسا ناخوشگوار واقعہ پیش آ گیا جو اکثر گھروں میں پیش آتا ہے یعنی شوہر کے ساتھ ناچاقی کا حادثہ، خاتون کے خیال میں اس کا شوہر بعض اہم گھریلو ضروریات پوری کرنے سے قاصر تھا، اس نے بہت سے وعدے کیے مگر کوئی ایفا نہ ہوا، پھر خاتون نے بھی وہی کیا جو عمومی طور پر آج کی عورتیں کرتی ہیں، اس نے شوہر کا گھر چھوڑا اور میکے میں جا کر رہنا شروع کر دیا، جاتے ہوئے یہ تک کہہ گئی کہ تم وعدہ پورا کرو گے تو مجھے واپس لا سکو گے۔

پھر دونوں پر دن گزرتے رہے، شوہر تنہا رہا، شیطان اس کا ساتھی تھا، شیطان اس واقعے کو اس کے لیے بہت اہم بنا کر اسے غیرت دلاتا رہا، اس کو عدم مردانگی کا طعنہ دیتا رہا کہ وہ بیوی کی بغاوت کو بھی نہیں کچل سکا، شوہر بیوی سے یہ کہتے ہوئے ملا کہ ”گھر آ کر اپنی تمام ذاتی اشیاء لے جاؤ۔“ شوہر نے اس کے لیے وقت مقرر کر دیا اور خود اتنا وقت گھر سے باہر رہنے کو کہا، آخر میں یہ کہا ”آج کے بعد تو اس گھر میں داخل نہیں ہو سکتی۔“ خاتون شوہر کے ساتھ جس گھر میں رہائش پذیر تھی، وہ اس کے شوہر کے والد کی جائیداد تھی، خاتون نے ایک دفعہ تو سوچا کہ میں اور میرے بچے اس گھر کے سوا کہاں گزارا کریں گے کیونکہ اپنے والدین کے ساتھ تو میں بچوں سمیت رہ نہیں سکوں گی، پھر اس نے اپنی ساس سے ملاقات کی اور اس سے شکایت کرنا چاہی مگر بدقسمتی سے وہ بھی الٹا الزام تراشی کرنے لگی کہ میرے بیٹے نے تو یہ سب کچھ تنگ آ کر کیا ہے، خاتون کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں جو کچھ سن رہی ہوں، یہ حقیقت ہے۔

خاتون کے والدین کو اس واقعے کا علم ہوا تو والد غضبناک ہو کر بولے: اس کا شوہر یہ رشتہ لینے اس کے والدین کے گھر نہیں آیا تھا؟ اب ایسے اہم مسئلے میں وہ لڑکی کے والد سے رجوع کیوں نہیں کر سکتا؟ فضا خاصی ناسازگار ہو گئی تھی، سب کا خیال تھا کہ جو کچھ ہوا ہے، یہ بڑی رسوائی ہے، اس کا ازالہ اس مرد سے طلاق لے کر ہی ہو سکتا ہے، بالآخر طلاق ہو گئی۔

خاتون کے تعلقات ایک تحریکی ساتھی کے ساتھ تھے، اس نے وقت ضائع کیے بغیر اس سے رابطہ کیا اور آہ و بکا کے بعد ذرا پر سکون ہوئی تو اپنی داستان سنانے لگی اور اسے اپنے اور اپنے بچوں کے اوپر ہونے والے ظلم کی انتہا قرار دیا، تحریکی ساتھی نے کہا: اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اپنی رحمت سے اس طرح کی مشکلات کے حل کے لیے ہمیں ایک دستور عطا کیا ہے، تم دونوں کا یہ عمل کتاب اللہ اور سنت رسول پر پیش کرتے ہیں تا کہ حقیقت میں دیکھ سکیں کہ ظالم کون ہے اور مظلوم کون؟ خاتون کے سانس بحال ہوئے اور وہ ہر لفظ کو بڑے غور اور توجہ سے سننے کی کوشش کر رہی تھی۔ تحریکی ساتھی نے کہا: تو نے اپنا گھر کیوں چھوڑا جب تو اپنے شوہر سے ناراض تھی؟ تجھے معلوم نہیں کہ وہ ایک مشکل مرحلے میں ہے یعنی طلاق دے چکا ہے، رجعی طلاق میں عورت کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اپنا گھر چھوڑ دے، یہ اللہ سبحانہ کا حکم ہے، فرمایا: ”زمانۂ عدت میں نہ تم انھیں ان کے گھروں سے نکالو اور نہ وہ خود نکلیں، الا یہ کہ وہ کسی صریح برائی کی مرتکب ہوں، یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں اور جو کوئی اللہ کی حدوں سے تجاوز کرے گا وہ اپنے اوپر خود ظلم کرے گا۔“ (الطلاق:۱)

لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب عورت کو پہلی طلاق دی جاتی ہے تو وہ فوراً اپنے میکے چلی جاتی ہے، یہ غلط اور حرام ہے کیونکہ اللہ کا حکم ہے کہ نہ تم انھیں گھروں سے نکالو اور نہ وہ خود وہاں سے نکلیں، استثنائی صورت ہے تو صرف یہ کہ وہ عورت کسی بے حیائی کا ارتکاب کرے پھر فرمایا: ”یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں اور جو کوئی اللہ کی حدوں سے تجاوز کرے گا وہ اپنے اوپر خود ظلم کرے گا۔“

اس کے بعد اس حکم کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ”تم نہیں جانتے، شاید اس کے بعد اللہ (موافقت کی) کوئی صورت پیدا کر دے گا لہٰذا مسلمانوں پر واجب ہے کہ حدود اللہ کا خیال رکھیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کریں، شرعی امور و احکام کو معاشرتی اور ذاتی روایات کی بھینٹ نہ چڑھائیں، آیئے دیکھتے ہیں کہ اسلام اس مشکل کے حل کے لیے کیسے راہ نکالتا ہے، فرمایا:

”اور تم لوگوں کو کہیں میاں بیوی کے تعلقات بگڑ جانے کا اندیشہ ہو تو ایک ثالث مرد کے رشتہ داروں میں سے اور ایک عورت کے رشتہ داروں میں سے مقرر کرو، وہ دونوں اصلاح کرنا چاہیں گے تو اللہ ان کے درمیان مفاہمت کی صورت نکال دے گا۔ اللہ سب کچھ جانتا ہے اور باخبر ہے۔“ (سورہ نساء:۳۵)

یہاں بات صرف شقاق (بگاڑ) کے خدشے کی ہے، اگر یہ خدشہ نظر آ جائے تو اس سے ڈرنا چاہیے اور اس وقت دو ثالث ایک عورت کی طرف سے اور ایک مرد کی طرف سے مداخلت کریں۔ ان دونوں کا مقصد اصلاح ہو، اب میاں بیوی لازماً ایک ہی گھر میں رہیں گے، یہ دونوں ثالث ان کے پاس اصلاح اور صلح و صفائی کی غرض سے جائیں گے، جہاں یہ دونوں میاں بیوی مقیم ہوں گے اور انھیں اللہ تعالیٰ کے اس وعدے کا احساس بھی ہو گا کہ وہ دونوں اصلاح کرنا چاہیں گے تو اللہ ان کے درمیان موافقت کی صورت نکال دے گا۔

یہ اس معاملے کے حل کی قرآنی صورت ہے، اب اس صورتِ حال کو پیدا کرنا مرد و عورت کو الگ الگ رکھ کر ممکن نہیں، نہ ٹیلی فون پر گفتگو کے ذریعے اس نتیجے پر انھیں پہنچایا جا سکتا ہے لیکن آج کل یہی ہوتا ہے، جس کا نتیجہ کچھ نہیں نکلتا ہے۔ چنانچہ تحریکی ساتھی نے اس سے کہا کہ تو کیوں غضبناک ہو کر اپنا گھر چھوڑ آئی؟ اس گھر کو تیرا گھر تو اللہ تعالیٰ نے قرار دیا ہے، عورت اپنے میکے کی طرف نہیں جا سکتی خواہ اس کے اور شوہر کے درمیان بگاڑ کا خدشہ ہی ہو، بلکہ وہ اپنے گھر میں جم کر رہے اور اصلاح کی پوری کوشش کرے، اس کے بعد اگلا مرحلہ آئے گا، یعنی اس کی ذاتی کاوش کے بعد اگلا مرحلہ ثالثوں کی کوشش کا ہو گا۔ نہ تم نے یہ کیا ہے اور نہ تمہارے شوہر نے۔ خاتون نے بڑی انکساری سے پوچھا: تو پھر اب اس کا حل کیا ہے؟ تحریکی ساتھی نے جواب دیا: اپنے گھر واپس چلی جاؤ، اس نے کہا: یہ تو مشکل ہے، مجھے جو کچھ کہا گیا ہے میرے جانے کے بعد اب وہ کیسے مجھے برداشت کریں گے؟ میں اس صورتِ حال میں خود اپنی عزت کو کیسے رسوائی سے دوچار کر سکتی ہوں؟

تحریکی ساتھی نے کہا: سبحان اللہ! کیا تجھے شروع میں ہی یہ اندازہ نہیں ہوا کہ اسی طرح کی کیفیت میں تو اللہ تعالیٰ کا کوئی راستہ نکالے گا، پھر بات یہ ہے کہ یہی ابلیس کا مسئلہ تھا، وہ بھی ہماری طرح جانتا تھا کہ اللہ ایک ہے، زمین وآسمان کی حکومت اس کے ہاتھ میں ہے، وہ یہ سب کچھ جانتا تھا مگر جب اللہ نے اپنی بادشاہات میں زمین پر ایک خلیفہ بنانا چاہا تو یہاں شیطان نے اعتراض کر دیا، آج اپنے گرد وپیش میں ہم بھی یہی کچھ دیکھتے ہیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ اللہ ایک ہے، وہی نگہبان ونگراں ہے، ہم اسمائے حسنیٰ کا ورد کرتے ہیں، اپنے خالق و مالک کے لیے نماز ادا کرتے ہیں اور روزہ رکھتے ہیں، کبھی صدقہ وخیرات بھی کر دیتے ہیں۔ خالق اور معبود کے ساتھ اپنی محبت کا واشگاف اظہار کرتے ہیں، لیکن جونہی اس خالق اور معبود کا کوئی ایسا قانون ہمارے سامنے آتا ہے جو ہماری عادات سے ٹکراتا ہو، ہماری خواہشات کے برعکس ہو تو اس کے نفاذ کی بات ہمارے اوپر سکتہ طارہ کر دیتی ہے، جب ہمارا عمل یہ ہے تو پھر ہم معبود کی ربوبیت اور الوہیت کے کیونکر قائل ہو سکتے ہیں؟ اس کے حکم کو سن کر کیوں اس پر لازمی نہیں سمجھتے؟ میں سمجھتی ہوں کہ آپ کے والد نیک آدمی ہیں، آپ ان سے کہیں کہ وہ آپ کے شوہر کو بلائیں اور اس کی بات سنیں، اگر وہ اس کے ساتھ گفتگو میں کسی حل پر نہ پہنچ سکیں تو مرد کے خاندان سے کسی ثالث کو بلالیں اور اس کے ساتھ بیٹھ کر اس بکھرتے ہوئے خاندان کو یکجا کرنے کی کوئی سبیل نکالیں۔

خاتون کے شوہر کو بلایا گیا تو اس نے آ کر خاتون کے والد سے کہا کہ یہ اب آپ کی بیٹی ہے، یعنی میں اس کو طلاق دے چکا ہوں، والد اس کو رسوم ورواج کے مقابلے میں قرآن مجید کی تعلیمات سے آگاہ کرنے کی کوشش کرتے رہے، اس نے کہا کہ اس حالت میں تمھیں اپنی بیوی کو اپنے گھر میں رکھنا چاہیے کیونکہ یہ اللہ کا حکم ہے، خاتون کے والد نے اللہ کا وہ دستور اس کے سامنے کھول کر رکھ دیا جس دستور کی بنیاد پر اس کی بیٹی اس مرد کی بیوی قرار پائی تھی۔ سورۂ طلاق کی پہلی آیت اس کے سامنے رکھی، نوجوان نے آیت دیکھی مگر کہتا رہا کہ ہم تو ایسا نہیں کریں گے، مطلقہ لڑکی اپنے والدین کے گھر میں ہی رہتی ہے، شوہر کے گھر میں نہیں، طلاق کے بعد اب وہ کیسے میرے پاس رہ سکتی ہے؟ خاتون کے والد نے مومنانہ لہجہ کے ساتھ کہا: ایک گھنٹہ قبل میں بھی تمہاری طرح ہی سوچ رہا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے صحیح راہ کی طرف میری رہنمائی کر دی اور میں نے فیصلہ کیا اب اپنی عمر کا اختتام اس آیت کے نفاذ پر کروں، تم یہ خیال نہ کرو کہ یہ فیصلہ میرے لیے کوئی آسان تھا، مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ اس کے احکام ہیں، جس کی ہم نے تمہارا نکاح کرتے ہوئے اطاعت کی تھی۔

معاملہ شوہر کے ہاتھ میں چلا گیا، وہ بیوی کو طلاق دینا چاہتا تھا اور بیوی اس کے گھر سے اپنی ذاتی اشیاء اُٹھا کر واپس لانا چاہتی تھی، گویا معاملہ ایسا معمولی تھا کہ کچھ ہوا ہی نہیں، لیکن اب مرد اپنے گھر والوں سے کیا (باقی صفحہ ۱۴ پر)

عالمی خبریں

کورونا کی ڈیلٹا قسم، امریکہ کا موجودہ سفری پابندیاں برقرار رکھنے کا فیصلہ

وائٹ ہاؤس نے تصدیق کی ہے کہ کورونا وائرس کی تیزی سے پھیلنے والی نئی قسم ڈیلٹا ویریئنٹ کے حوالے سے تحفظات اور کووڈ-۱۹ کے کیس میں اضافے کی وجہ سے امریکہ اس وقت کوئی سفری پابندیاں نہیں اٹھائے گا۔ برطانوی خبر رساں ایجنسی روئٹرز کے مطابق یہ فیصلہ وائٹ ہاؤس سینئر حکام کی میٹنگ کے بعد سامنے آیا ہے جس کا مطلب ہے کہ طویل عرصے سے عائد کی گئیں سفری پابندیاں جنھوں نے دنیا کی آبادی کی بڑی تعداد کو امریکہ میں داخلے سے روک رکھا ہے، مختصر مدت میں ختم نہیں کی جائیں گی۔ وائٹ ہاؤس کی ترجمان جین ساکی نے پیر کے روز بتایا کہ ڈیلٹا ویریئنٹ کی تازہ صورتحال کو دیکھتے ہوئے ہم اس وقت موجودہ سفری پابندیاں برقرار رکھیں گے، یہاں کیسوں کی تعداد بڑھ رہی ہے خاص طور پر ان افراد میں جن کی ویکسی نیشن نہیں ہوئی ہے اور ایسا نظر آ رہا ہے کہ آئندہ ہفتوں میں یہ تعداد بڑھے گی۔ امریکہ کی حالیہ پابندیاں ان غیر ملکیوں کو ملک میں داخلے سے روکتی ہیں جو سفر سے پہلے چود دنوں سے برطانیہ، ۲۶ شینگن ممالک، آئرلینڈ، چین، انڈیا، جنوبی افریقہ، ایران اور برازیل میں رہے ہوں۔

نیوزی لینڈ کا داعش سے تعلق رکھنے والی خاتون کی شہریت منسوخ نہ کرنے کا فیصلہ

نیوزی لینڈ اور آسٹریلیا کی دوہری شہریت رکھنے والی خاتون کے داعش کے ساتھ تعلقات ہونے کی وجہ سے ان کی آسٹریلوی شہریت ختم کر دی گئی تھی تاہم اب نیوزی لینڈ نے اعلان کیا ہے کہ انہیں اور ان کے دو بچوں کو ملک بدر نہیں کیا جائے گا۔ خبر رساں ادارے اے ایف پی کے مطابق نیوزی لینڈ میں پیدا ہونے والی خاتون، جن کی شناخت سوہیرا ایڈن کے نام سے ہوئی ہے، چھ سال کی عمر میں آسٹریلیا منتقل ہو گئی تھیں تاہم گذشتہ سال آسٹریلیا نے ان کی شہریت ختم کر دی تھی۔ اس وقت آسٹریلیا کے وزیر اعظم سکاٹ موریسن نے کہا تھا کہ دہشت گرد جنھوں نے دہشت گرد تنظیموں کے ساتھ لڑائی کی تھی نے شہریت کا استحقاق ضائع کر دیا ہے۔ سوہیرا ایڈن، جن کی عمر ۲۶ سال ہے، آسٹریلیا سے شام ۲۰۱۴ء میں منتقل ہوئیں جہاں وہ داعش کی زیر نگرانی رہیں۔ سال ۲۰۱۹ء میں شام میں ایک مہاجرین کیمپ میں اے بی سی نیوز سے بات کرتے ہوئے ان کا کہنا تھا کہ ان کی سویڈن سے تعلق رکھنے والے دو داعش جنگجوں سے شادی ہوئی تھی۔ تاہم نیوزی لینڈ کی وزیر اعظم جیسنڈا آرڈرن کا کہنا تھا کہ ان کی شہریت ختم کرنے سے وہ اور ان کے بچے در بدر ہو جائیں گے۔

آسٹریلیا میں لاک ڈاؤن کے خلاف ہزاروں افراد کا احتجاج

آسٹریلیا میں سڈنی سمیت دیگر کئی شہروں میں کورونا وائرس کے کیس میں ایک بار پھر اضافے کی وجہ سے لاک ڈاؤن لگانے کے فیصلے کے خلاف ہزاروں لوگ سڑکوں پر نکل آئے۔ امریکی خبر رساں ایجنسی ایسوسی ایٹیڈ پریس کے مطابق جب مظاہرین نے رکاوٹیں توڑیں اور پلاسٹک کی بوتلیں اور گملے پھینکنا شروع کیے تو متعدد افراد کو پولیس نے گرفتار کر لیا۔ مارچ کے شرکا نے ماسک پہنے بغیر سڈنی کے وکٹوریا پارک سے ٹاؤن ہال تک مارچ کیا اور انہوں نے پلے کارڈز اٹھا رکھے تھے جن پر ’آزادی‘ اور ’دی ٹُرتھ‘ کے الفاظ درج تھے۔ ان احتجاجی مظاہروں کے دوران سڈنی میں پولیس کی بڑی تعداد حکومت کے مطابق بغیر اجازت کی جانے والی سرگرمیوں کو روکنے کے لیے موجود رہی۔

شجرکاری - اسلام کی نظر میں

تحریر: مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی

اسلام کی آمد سے قبل عرب معاشرہ جہاں بے شمار سماجی و اخلاقی برائیوں میں مبتلا تھا، وہیں جسمانی و ماحولیاتی گندگی بھی اس سماج کا لازمی حصہ تھی۔ عربوں کی غیر مہذب قبائلی زندگی میں صفائی اور نفاست کا کوئی اہتمام نہ تھا، طہارت ونظافت سے بے اعتنائی برتی جاتی تھی، گندے بدن اور بوسیدہ کپڑوں کے ساتھ رہن سہن کو اچھا خیال کیا جاتا تھا، عرب معاشرہ جو یہودیوں، بت پرستوں اور عیسائیوں کے طرزِ معاشرت پر مشتمل تھا، حفظان صحت اور جسمانی پاکیزگی کو کوئی اہمیت نہیں دیتا تھا، گھروں، محلوں اور خود اپنے آپ کو گندہ یا برہنہ رکھنا عام سی بات تھی؛ مگر جب اسلام کا نیر تاباں طلوع ہوا تو اس نے جہاں ایک طرف انسانیت کو روحانی بالیدگی عطا کی، اخلاق کو سنوارا اور تہذیب سے آشنا کیا، وہیں معاشرے کو ہر طرح کی آلودگی سے پاک وصاف رکھنے کے لیے کچھ اصول بتلائے نیز انسانوں کو رہنے سہنے، اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے، لباس پہننے حتی کہ قضائے حاجت کرنے کے طریقے سے بھی آگاہ کیا، ساتھ ہی ساتھ اس بات کا اعلان فرمایا کہ: زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد مت مچاؤ! (سورہ اعراف) یعنی قدرت نے زمین کو جس حسن وجمال اور امن وامان سے آراستہ کیا ہے، اس میں کسی قسم کی تبدیلی مت کرو! عربی زبان میں "فساد" ایک وسیع مفہوم کا حامل لفظ ہے، علامہ راغب اصفہانیؒ اپنی کتاب مفردات القرآن میں فساد کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: فساد کے معنی ہیں کسی چیز کا اپنی حالتِ سلیم سے بدل کر خراب حالت پر آجانا، اس کی ضد صلاح ہے، جیسا کہ اہل عرب کہتے ہیں دودھ فاسد ہوگیا، یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب اس میں تغیر واقع ہوجائے، وہ بدبودار ہوجائے یا استعمال کے قابل نہ رہے۔ پھر یہ لفظ ہر اس چیز کے لیے استعمال کیا جانے لگا جو اعتدال سے نکل جائے، جیسے ظلم اور تعدی وغیرہ۔ (مفردات القرآن مادہ فسد) زمین کی موجودہ تبدیلیوں پر بھی اس معنی کے لحاظ سے فساد کا اطلاق ہوسکتا ہے؛ کیوں کہ پچھلی چند دہائیوں سے زمین کا اصل نظام اعتدال وتوازن متاثر ہوتا جارہا ہے اور اس کی حقیقی افادیت بہ تدریج ختم ہورہی ہے، جو مستقبل میں بہت بڑے خطرے کا پیش خیمہ ہے۔

یہ ناقابل تردید حقیقت ہے کہ کائنات کا حسن وجمال اس کی قدرتی وفطری آب وہوا میں ہے۔ جب کبھی دنیا فطرت سے سرمو انحراف کرے گی، زمین وآسمان میں لازماً فساد وبگاڑ برپا ہوگا۔ یہ قدرت کا عجیب نظام ہے کہ اس کائنات میں جہاں ماحول کو آلودہ کرنے والے غیر قدرتی وسائل پائے جاتے ہیں، وہیں رب کائنات نے ماحولیاتی کثافت کو جذب کرنے والے اہم ترین ذرائع بھی پیدا کررکھے ہیں، زمین میں اللہ تعالیٰ نے ایسی صلاحیت رکھی ہے کہ وہ ساری غلاظتوں کو اپنے سینہ میں دفن کرلیتی ہے، مرنے والے انسان اور دیگر جانور اگر زمین میں دفن نہ کئے جائیں تو سارا ماحول متعفن ہوکر رہ جائے، شہروں میں کوڑا کرکٹ کی شکل میں ٹنوں منوں غلاظت، زمین اپنے سینہ میں اتار کر تحلیل کردیتی ہے، سمندر کا حیرت انگیز نظام ماحولیاتی آلودگی کو کنٹرول کرنے میں غیر معمولی کردار ادا کرتا ہے، ہر دن سمندر میں بے شمار حیوانات مرتے ہیں اور ہزاروں جانور غلاظت کرتے ہیں پھر کارخانوں کے آلودہ پانی کا رخ بھی سمندروں کی طرف کیا جاتا ہے، سمندر کا کھارا پانی ان ساری چیزوں کو تحلیل کرکے ماحولیاتی تحفظ کا سبب بنتا ہے جو اللہ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے، ان سارے قدرتی ذرائع کے باوجود اس وقت ماحولیاتی کثافت پوری دنیا کے لیے ایک چیلنج بنی ہوئی ہے، جدید طرز زندگی کے سبب ہر گزرتے دن کے ساتھ آلودگی میں اضافہ ہی ہوتا جارہا ہے، ماحولیاتی آلودگی اس وقت ایک عالم گیر مسئلہ بن چکی ہے، قیامت تک انسانیت کی رہنمائی کرنے والے دین اسلام نے جہاں موجودہ دور کے دیگر مسائل کا حل پیش کیا ہے، وہیں اس کی تعلیمات میں ماحولیاتی آلودگی کا بھی حل موجود ہے۔ (ملخص از شجرکاری اور اسلامی تعلیمات؛ مولانا سید احمد ومیض ندوی)

یہ ناقابل تردید حقیقت ہے کہ کائنات کا حسن وجمال اس کی قدرتی وفطری آب وہوا میں ہے۔ جب کبھی دنیا فطرت سے سرمو انحراف کرے گی، زمین وآسمان میں لازماً فسادوبگاڑ برپا ہوگا۔ یہ قدرت کا عجیب نظام ہے کہ اس کائنات میں جہاں ماحول کو آلودہ کرنے والے غیر قدرتی وسائل پائے جاتے ہیں، وہیں رب کائنات نے ماحولیاتی کثافت کو جذب کرنے والے اہم ترین ذرائع بھی پیدا کررکھے ہیں، زمین میں اللہ تعالیٰ نے ایسی صلاحیت رکھی ہے کہ وہ ساری غلاظتوں کو اپنے سینہ میں دفن کرلیتی ہے، مرنے والے انسان اور دیگر جانور اگر زمین میں دفن نہ کئے جائیں تو سارا ماحول متعفن ہوکر رہ جائے۔

ماحولیاتی آلودگی سے تحفظ کے مختلف اسباب و ذرائع میں ایک اہم ذریعہ درخت اور درختوں سے بھرے، گھنے جنگلات ہیں؛ جن کی موجودگی صاف وشفاف فضا فراہم کرنے اور ماحول کو پُرلطف و پاکیزہ بنانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ روئے زمین پر جابجا پھیلے درخت بنی نوع انسانی کے لیے قدرت کا انمول تحفہ ہیں۔ درخت نہ صرف سایہ فراہم کرتے ہیں؛ بل کہ یہ ماحولیاتی آلودگی کو کم کرنے میں بھی مُمِد ومعاون ثابت ہوتے ہیں۔ درخت لگانے کے عمل کو شجرکاری کہا جاتا ہے، شجرکاری نہ صرف سنتِ رسول ہے؛ بلکہ ماحول کو خوبصورت اور دل کش بنانے میں بھی ان کا قابل ذکر حصہ ہے، شجرکاری ہر دور میں تحفظ ماحولیات کے لیے کلیدی کردار کی حامل رہی ہے اور ہمیشہ رہے گی، قدیم زمانے میں جب انسان کے پاس گھر نہیں تھا تو اس نے درخت کے سایے کو اپنا بسیرا بنایا، جب وہ بھوکا مرتا تھا تو درخت کے پھل ہی تھے جو اسے غذا فراہم کرتے تھے، آج بھی انسان درخت کے ذریعہ بہت سے کام لیتا ہے، لکڑیاں، گوند، شہد وغیرہ درختوں ہی سے حاصل ہوتے ہیں، جس طرح انسان درخت سے استفادہ کرتا ہے پرندے اور دوسرے جانور بھی اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں، تقریباً سارے ہی پرندے درخت پر گھونسلہ بناتے ہیں، سبزی خور پرندے اور جانور اپنی غذا درخت سے ہی حاصل کرتے ہیں، اس طرح درخت انسان کے لیے ہی نہیں پرندوں اور جانوروں کے لیے بھی مفید ہیں، درخت جہاں دنیا بھر کے جانداروں کو چھاؤں مہیا کرتے ہیں، وہیں ان کی خوشبو سے زمانہ مہکتا ہے، رنگ برنگے درخت کبھی ریگستان کو نخلستان میں بدل دیتے ہیں تو کبھی جنگل میں منگل کا سماں پیدا کرتے ہیں، نیز درختوں پر بسنے والے پرندوں کی چہچہاہٹ بھی ماحول کو خوش گوار کردیتی ہے۔

قرآن وحدیث میں متعدد مقامات پر شجرکاری کی ترغیب دی گئی ہے اور ہرے بھرے، پھل دار درختوں کو محلِ امتنان میں ذکر کیا گیا ہے۔ ارشاد باری ہے: "وہی تمہارے فائدے کے لیے آسمان سے پانی برساتا ہے جسے تم پیتے بھی ہو اور اسی سے اُگے ہوئے درختوں میں تم اپنے جانوروں کو چراتے ہو۔ اسی سے وہ تمہارے لیے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل اُگاتا ہے۔ بے شک ان لوگوں کے لیے تو اس میں بڑی نشانی ہے جو غور و فکر کرتے ہیں۔" (النحل)

حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان درخت لگاتا ہے پھر اس میں سے جتنا حصہ کھالیا جائے وہ درخت لگانے والے کے لیے صدقہ ہوجاتا ہے اور جو اس میں سے چوری کرلیا جائے وہ بھی صدقہ ہوجاتا ہے یعنی اس پر بھی مالک کو صدقہ کا ثواب ملتا ہے اور جتنا حصہ اس میں سے چرند کھالیتے ہیں وہ بھی اس کے لیے صدقہ ہوجاتا ہے اور جتنا حصہ اس میں سے پرندے کھالیتے ہیں وہ بھی اس کے لیے صدقہ ہوجاتا ہے (غرض یہ کہ) جو کوئی اس درخت میں سے کچھ بھی پھل وغیرہ لے کر کم کردیتا ہے تو وہ اس درخت لگانے والے کے لیے صدقہ ہوجاتا ہے۔ (مسلم) شجرکاری کی اہمیت کا اندازہ اس حدیث سے بھی ہوتا ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر قیامت قائم ہورہی ہو اور تم میں سے کسی کے ہاتھ میں درخت ہو اور وہ اس بات پر قادر ہو کہ قیامت قائم ہونے سے پہلے وہ اسے لگا لے گا تو ضرور لگائے۔ (مسند احمد) درختوں کی اسی افادیت کے پیش نظر آپؐ نے ایسے درخت وغیرہ جس سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے، کاٹنے یا برباد کرنے سے سختی سے منع کیا ہے۔ نبیؐ نے حالت جنگ میں بھی اشجار کو کاٹنے سے منع فرمایا ہے، آپ لشکر کی روانگی کے وقت دیگر ہدایات کے ساتھ ایک ہدایت یہ بھی فرماتے تھے کہ: کھیتی کو نہ جلانا اور کسی پھل دار درخت کو نہ کاٹنا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنے دورِ اقتدار میں باغ بانی اور شجرکاری میں گہری دلچسپی دکھائی ہے اور اسے علوم وفنون کی شکل دے کر دنیا میں خوب فروغ دیا ہے۔

عالمی ادارۂ صحت نے فضائی آلودگی کو دنیا میں صحتِ عامہ کے لیے سب سے بڑا خطرہ قرار دیا ہے، ایک نئی تحقیق کے مطابق یہ آلودگی دنیا میں مرنے والے ہر آٹھویں فرد کی موت کی وجہ ہے اور اس کی وجہ سے دنیا بھر میں صرف ۲۰۱۲ء میں ستر لاکھ افراد ہلاک ہوچکے ہیں۔ ڈبلیو ایچ او کا کہنا ہے کہ بیرونی فضائی آلودگی چین اور بھارت جیسے ممالک کے لیے بڑا مسئلہ ہے جہاں تیزی سے صنعت کاری ہورہی ہے۔ کنگز کالج لندن کے ماحولیاتی تحقیقاتی گروپ کے ڈائریکٹر فرینک کیلی کا کہنا ہے کہ ہم سب کو سانس لینا ہوتا ہے اس لیے ہم اس آلودگی سے بچ نہیں سکتے، اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہم ماسک پہن کر یہ پیغام دیتے ہیں کہ ہم آلودہ فضا میں سانس لینے کے لیے تیار ہیں جبکہ ہمیں آلودگی ختم کرنے کے لیے اپنے طرزِ زندگی کو بدلنے کی ضرورت ہے۔ ماہرین کے مطابق فضائی آلودگی کی وجہ سے سانس کے ساتھ ہمارے پھیپھڑوں میں ایسے چھوٹے ذرات چلے جاتے ہیں جو بیماری کا باعث بنتے ہیں۔ سائنس دانوں کے خیال میں فضائی آلودگی دل کی سوجن کی وجہ بھی بنتی ہے جس کی وجہ سے دل

(باقی ص۱۴ پر)

بچّوں کا گوشہ

ماں سے ناراضی کے بعد (۲)

ایک روز کی بات ہے شاہد جس کمرے میں اُن دنوں آرام کررہا تھا اس میں سوتے وقت کچھ دنوں سے اُسے یوں لگ رہا تھا جیسے پلنگ کے نیچے کی بکس میں کوئی چیز بار بار کود پھاند مچارہی ہے، اُس نے ایک روز رات میں جھانک کر دیکھا تو اسے چھوٹے چھوٹے چوہوں کے بچے دکھائی دیئے، جو مشکل سے دو تین دنوں کے ہی لگ رہے تھے، رات کا وقت تھا اس لیے بروقت تو اس نے ان کا کچھ نہیں کیا کسی طرح رات کاٹ لی، لیکن کل ہوکر جب اُسے گھر سناٹا دکھائی دیا تو اُس نے چپکے سے جیسے ہی بکس کھولا ایک بڑا سا چوہا کود کر بھاگا، اس نے ڈر سے بکس چھوڑ دیا، پھر کچھ دیر بعد اس نے دوبارہ بکس کھولا اور سارے چھوٹے چھوٹے چوہوں کے بچوں کو ایک کاغذ میں رکھ کر گھر سے دور ایک گڑھے میں پھینک دیا، اُس کے بعد رات ہوئی تو اسے بہت اچھی والی نیند آئی وہ یہ سوچ کر مطمئن تھا کہ چلو ایک مصیبت سے نجات تو ملی، کمبختوں نے کئی روز سے سکون درہم برہم کرکے رکھ دیا تھا۔

چند دنوں بعد معمول کے مطابق جب وہ اپنے کمرے میں سونے گیا تو اسے یوں لگا جیسے پورے کمرے میں ناقابلِ برداشت بدبو پھیلی ہوئی ہے، دو منٹ بھی آرام سے بیٹھنا مشکل ہورہا ہے تو اس کے اندر جستجو پیدا ہوئی، اُس نے رات کے اندھیرے میں بلب جلا کر تلاش کرنا شروع کیا کہ آخر ماجرا کیا ہے؟ چند منٹوں کی کوشش کے بعد اس کی نظر ایک مری ہوئی بڑی سی چوہیا پہ پڑی، جو شاید ایک دو روز پہلے ہی مرچکی تھی، اس کے جسم میں کیڑے پڑ گئے تھے، اُس کی جانب نظر تک کرنا مشکل ہورہا تھا، شاہد کو دیکھ کر اندر سے بُری طرح اُبکائی آئی، لیکن اس نے کسی طرح اپنی ناک بند کی اور چہرہ دوسری جانب پھیرتے ہوئے آسانی سے اُٹھا کر اس خیال سے باہر پھینک دیا کہ اگر گھر والوں کو احساس ہوگیا تو میرے بارے میں پتہ نہیں کیا کیا سوچیں گے؟ کتنا غلیظ لڑکا ہے وغیرہ وغیرہ .... چوہیا کو ٹھکانے لگانے کے بعد چند لمحوں کے لیے شاہد نے اپنی آنکھیں بند کرلیں، اُسی بیچ اُس کے ذہن میں طرح طرح کے خیالات گردش کرنے لگے، وہ سوچنے لگا شاید مری ہوئی چوہیا ان چھوٹے چھوٹے چوہوں کی ماں تھی جو اُس روز کود کر بھاگی تھی، میں نے اس کے بچوں کو پھینک دیا، ممکن ہے بیچاری بعد میں بہت تلاش کی ہوگی، جب اُس کے بچے نہیں ملے تو بیچاری غم سے نڈھال ہوکر شاید چل بسی، چند لمحوں کے لیے پھینکے ہوئے چوہوں کی جگہ اس نے خود کو اور مری ہوئی چوہیا کی جگہ اپنی ماں کو رکھ کر سوچنا شروع کیا تو اُس کا دل بھر آیا، ہفتوں بعد اس کے دل میں ماں کے تعلق اس قدر محبت جاگی تھی، بچپن سے لیکر 14 سال تک کی عمر کے گزرے ہوئے جذباتی لمحے ایک ایک کرکے اس کی آنکھوں کے سامنے رقص کرنے لگے، اُس کی آنکھیں بھر آئیں، جذبات سے بیقابو ہوکر بغل میں رکھے ہوئے تکیہ کو اٹھایا اور ماں کا کلیجہ سمجھ کر اس نے اپنے سینے سے اُسے لگالیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

گوشۂ خواتین

آج خواتین کیلئے خوداعتمادی کیوں ضروری؟ (۲)

حالانکہ آج کے روز افزوں ترقی کے دور سے یہ نظریہ میل نہیں کھاتا، خاص طور پر اِس لئے بھی کہ جس طرح کوئی پرندہ ایک پر سے پرواز نہیں کرسکتا، اُسی طرح کوئی بھی معاشرہ عورت کو نظرانداز کرکے ترقی کی راہ پر آگے نہیں بڑھ سکتا، کیونکہ عورت معاشرہ کے پرندے کا دوسرا پر ہے، جب تک عورت کو ترقی کے ہمہ جہتی مواقع میسر نہیں آئیں گے یا اُسے سماجی سرگرمیوں میں مساوی حصہ نہیں ملے گا، ہمارا معاشرہ مثالی نہیں بن سکتا۔ اگر ملک کو واقعی ترقی کرنا ہے تو خواتین کی ملک میں ۴۸ فیصد آبادی کو اُس کا جائز حصہ دینا ہوگا، اُس میں خوداعتمادی، خودکفالتی اور خودانحصاری کا احساس جگانا ہوگا، خوداعتمادی کی یہ ضرورت وقت کے ساتھ اِس لئے بھی بڑھ رہی ہے کہ آج خواتین زندگی کے مختلف شعبوں میں کام کرتی نظر آتی ہیں، اگر اُن میں خوداعتمادی نہیں ہوگی تو نہ وہ اپنی صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کرسکیں گی، نہ حوصلہ و ہمت سے پیش رفت ہی کرپائیں گی، یہ خوداعتمادی اپنے آپ پر اور اپنی صلاحیتوں پر یقین کرکے کوشش و محنت کرنے سے حاصل کی جاسکتی ہے۔ آج کی خواتین کا دائرہ عمل اُن کے گھر کی چہاردیواری ہو یا کھلی پڑی دنیا کی بسیط فضا، دونوں ہی میں کام کرنے اور آگے بڑھنے کے لئے خوداعتمادی کی ضرورت بڑھتی جارہی ہے اور اُسے محنت، لگن، قابلیت سے جلا ملتی ہے۔ آج کی ہنگامی زندگی کا ہر دن غیرمتوقع سانحوں سے دوچار ہوتا ہے، گھر ہو یا باہر حادثات ہونے میں دیر نہیں لگتی، نہ کوئی واقعہ پہلے سے آگاہ کرکے آتا ہے، بارہا خواتین کو تنِ تنہا اُن کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ جس میں سب سے زیادہ اُن کی خوداعتمادی معاون و مددگار ثابت ہوتی ہے۔ عام طور پر شہر میں رہنے والی عورتیں پڑھی لکھی ہوتی ہیں، کام کرتے کرتے اُنہیں تجربہ بھی حاصل ہوجاتا ہے، ایسی عورتوں کے دل میں یہ جذبہ پیدا ہونا فطری ہے کہ وہ اپنی صلاحیت کا نہ صرف اپنے لئے بلکہ دوسروں کے لئے بھی استعمال کریں، ایسی خواتین کی تعداد بھی اب معاشرہ میں بڑھتی جارہی ہے جو گھریلو زندگی کے ساتھ ملازمت بھی کررہی ہیں، اِس طرح اُن کی ذمہ داری دوہری اور تہری ہوجاتی ہے، ملازمت کے پیشہ میں اجنبی و نامانوس ماحول میں اپنے افسروں، ساتھیوں یا ماتحتوں کے ساتھ کام کرنا، دوسرے اپنے گھر، شوہر، بچوں اور عزیزوں سے متعلق ذمہ داریاں خوش اسلوبی سے انجام دینا پڑتا ہے، ایسی خواتین کی تعداد دن بدن بڑھتی جارہی ہے لیکن خوشگوار زندگی اُن ہی خواتین کو میسر آتی ہے جو خوداعتمادی کی دولت سے مالامال ہوتی ہیں۔ خواتین میں خوداعتمادی کے حصول کا انحصار بہت کچھ اُن کے خاندانی پس منظر اور گھریلو تربیت پر بھی ہوتا ہے۔ جہاںتک تعلیم کا سوال ہے تو وہ اُنہیں پیش آئند مسائل کو حل کرنے کا سلیقہ عطا کرتی ہے اور حالات سے مقابلہ کرنے کی برداشت بھی بڑھا دیتی ہے لیکن خوداعتمادی پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے اندر کا حوصلہ خود بڑھائیں، ایسی خواتین اپنے ساتھ اپنے شوہروں اور بچوں کو بھی خوداعتماد بنانے میں مددگار بن جاتی ہیں اور گھر و باہر کی ذمہ داریاں بخوبی نبھا کر دوسروں کے لئے مثال ثابت ہوتی ہیں اور ایسے نشان چھوڑ جاتی ہیں جو آنے والوں کے لئے مشعلِ راہ ثابت ہوتے ہیں۔ ◻◻

صفحہ تحفظ ختم نبوت

مرزا غلام احمد قادیانی کی مراقی نبوت کے خدوخال ۳

مراق کیا ھے: طب یونانی کی مشہور متداول کتاب ''شرح الاسباب والعلامات'' میں امراض راس (سر) کا بیان شروع ہی میں ہے۔ یہ کتاب طب یونانی کے مدرسوں اور کالجوں میں عرصۂ دراز سے پڑھائی جاتی ہے۔ اصل کتاب عربی میں ہے اب اس کا اردو ترجمہ بھی دستیاب ہے۔ مصنف ہیں حکیم برہان الدین نفیسی، مراق کے بارے میں لکھتے ہیں:

''مالیخولیا کی ایک قسم ہے جس کو مراق کہتے ہیں، یہ مرض تیز سودا سے جو معدہ میں جمع ہوتا ہے پیدا ہوتا ہے اور جس عضو میں یہ مادّہ جمع ہوتا ہے، اس سے سیاہ بخارات اٹھ کر دماغ کی طرف چڑھتے ہیں۔ اس کی علامات یہ ہیں: ترش دخانی ڈکاریں آنا، ضعف معدہ کی وجہ سے کھانے کی لذت کم معلوم ہونا، ہاضمہ خراب ہوجانا، پیٹ پھولنا، پاخانہ پتلا ہونا، دھویں جیسے بخارات چڑھتے ہوئے معلوم ہوتا۔''

مالیخولیا اس مرض کو کہتے ہیں جس میں حالت طبعی کے خلاف خیالات وافکار متغیر بخوف وفساد ہوجاتے ہیں۔ اس کا سبب مزاج کا سوداوی ہوجانا ہوتا ہے جس سے روح دماغی اندرونی طور پر متوحش ہوتی ہے اور مریض اس کی ظلمت سے پراگندہ خاطر ہوجاتا ہے یا پھر یہ مرض حرارت جگر کی شدت کی وجہ سے ہوتا ہے اور یہی چیز مراق ہوتی ہے۔

یہ علامتیں بتادیتی ہیں کہ مریض کو مراق ہے اور اس کے کسی عضو میں تیز سودا جمع ہوگیا ہے۔ اس سے سیاہ بخارات اٹھ کر دماغ تک پہنچتے ہیں اس کی علامتیں آپ کے سامنے ہیں۔ اس کی علامتوں کا ظہور کب ہوتا ہے اور جدید اطباء کا اس بیماری کے بارے میں کیا خیال ہے؟ اس پر بھی ایک نظر ڈال لیجئے اور اس کو ذہن میں محفوظ رکھئے تاکہ آئندہ بحث کو سمجھنا آسان ہوجائے۔ ملاحظہ فرمائیے:

''یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس مرض (مراق) کی علامات کا ظہور فتور قوتِ حیوانی یا روح حیوانی سے ہوتا ہے جو کہ جگر اور معدے میں ہوتی ہے مگر تحقیقات جدیدہ سے معلوم ہوا ہے کہ مرض عصبی ہے اور جیسا کہ عورت میں رحم کی مشارکت سے مرض اختناق الرحم (ہسٹریا) پیدا ہوجاتا ہے۔ اسی طرح اعضاء اندرونی کے فتور سے ضعف دماغ ہوکر مردوں میں مراق ہوجاتا ہے۔

شمس الاطباء حکیم ڈاکٹر غلام جیلانی اپنی کتاب ''مخزنِ حکمت'' میں مراق (مالیخولیا) کی علامتیں یہ بتاتے ہیں کہ:

''مریض ہمیشہ سست ومتفکر رہتا ہے۔ اس میں خودی کے خیالات پیدا ہوجاتے ہیں۔ ہر ایک بات میں مبالغہ کرتا ہے، بھوک نہیں لگتی، کھانا ٹھیک طور پر ہضم نہیں ہوتا۔''

مذکورہ علامات میں معدہ کی خرابی مشترک ہے کہ مراق کی بیماری میں ضعف معدہ ضرور ہوگا۔ ان علامتوں کی تفصیل ''اکسیر اعظم'' میں ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

''فسادِ ہضم، کھٹی ڈکاریں، منہ میں رال زیادہ آئے، پیٹ پھولتا ہو، پیٹ میں قرار وتناوٹ اور سوزش ہو، جھوٹی بھوک معلوم ہو، تالو کی طرف دھویں جیسے بخارات چڑھتے ہوئے معلوم ہوں، ہاضمہ اچھا ہو تو مرض میں تخفیف ہو، ہاضمے کی خرابی اور تخمے سے مرض میں زیادتی ہو، گاہے جسم کے اوپر کے حصے میں کپکپی اور لرزہ، ہاتھ پاؤں کی ہتھیلیوں یا تمام بدن کا ٹھنڈا ہوجانا، مرض کی کمی بیشی کے مطابق کمزوری لاحق ہوتا۔ یہاں تک کہ کبھی غشی کی نوبت پہنچ جائے، کبھی ایک چیز کے دو معلوم ہونا، کبھی آنکھوں کے سامنے بجلی سے کوندتی معلوم ہونا، آنکھوں کی کرختگی، پلکوں کا بوجھل ہونا، دماغ اور سر میں سوزش وگرمی، دردسر اور نسیان، یک بیک اچھول لگ جاتا مرض مراق کے لوازم میں سے ہے لیکن ان سب کا ایک مریض میں پایا جانا ضروری نہیں۔ (اکسیر اعظم۔ ج، اول۔ ص ۱۸۸)

اس بیماری کے سلسلہ میں مزید معلومات کے لے آئیے شیخ الرئیس حکیم بوعلی سینا سے رجوع کریں کہ وہ کیا کہتے ہیں؟ ملاحظہ فرمائیے:

''مالیخولیا اس مرض کو کہتے ہیں جس میں حالت طبعی کے خلاف خیالات وافکار متغیر بخوف وفساد ہوجاتے ہیں۔ اس کا سبب مزاج کا سوداوی ہوجانا ہوتا ہے جس سے روح دماغی اندرونی طور پر متوحش ہوتی ہے اور مریض اس کی ظلمت سے پراگندہ خاطر ہوجاتا ہے یا پھر یہ مرض حرارت جگر کی شدت کی وجہ سے ہوتا ہے اور یہی چیز مراق ہوتی ہے۔ جب اس میں غذا کے فضلات اور آنتوں کے نجارات جمع ہوجاتے ہیں اور اس کے اخلاط جل کر سودا کی صورت میں تبدیل ہوجاتے ہیں تو ان اعضاء سے سیاہ بخارات اٹھ کر سر کی طرف

تحریر: مولانا عبدالحفیظ رحمانی

چڑھتے ہیں اسی کو نفخۂ مراقیہ، مالیخولیائے نافخ اور مالیخولیائے مراق کہتے ہیں۔'' (قانون شیخ الرئیس حکیم بوعلی سینا، فن اول از کتاب ثالث)

مالیخولیا اور مراق کی تفصیل سے یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ یہ سوداوی بیماری ہے۔ اسی بنا پر اردو کے اہل لغت نے مراق کا ترجمہ جنون اور سودا کیا ہے۔ ان الفاظ کے بعد یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اس کا مریض کیا کچھ کرتا ہوگا؟ پھر یہ بھی کہ مراق موروثی ہوتا ہے جو نسل در نسل چلتا رہتا ہے۔ چنانچہ نورالدین صاحب لکھتے ہیں کہ:

''مراق کے اسباب میں سب سے بڑا سبب ورثہ میں ملا ہوا طبعی میلان اور عصبی کمزوری ہے۔ عصبی امراض ہمیشہ ورثہ میں ملتے ہیں اور لمبے عرصے تک خاندان میں چلتے ہیں۔'' (بیاض نور الدین۔ ج، اول، منقول از اخبار ''پیغام صلح'' لاہور۔ ج، ۱۰۶، ص ۴۷ مورخہ یکم دسمبر، ۱۹۴۸ء)

اس بیماری کے اسباب پر بحث کرتے ہوئے حکیم اصفر حسین خاں فرخ آبادی فرماتے ہیں کہ اکثر یہ مرض (مراق) تنہا رہنے یا زیادہ خوض علم میں کرنے یا محنت شدید یا ریاضت شدید یا مجاہد نفس سے پیدا ہوتا ہے۔ (تذکرۃ الوفاق العلاج المراق)

مرزا کا مراق: مالیخولیا یا مراق کی اس قدر تفصیل پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم دیکھیں کہ مدعیانِ نبوت میں کسی کو یہ بیماری تھی یا نہیں؟ ہم نے مناسب یہ سمجھا کہ دور کیوں جائیے، ایک نظر ماضی قریب پر ڈال لیں اور دیکھیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی میں یہ بیماری تھی یا نہیں؟ پھر ہم اطبا سے رجوع کریں گے کہ اس بارے میں اپنے طبی اصول کو پیش نظر رکھ بتائیں کہ مراقی اور مالیخولیائی مریض کیا کرشمے دیکھاتے ہیں۔ تو آئیے دیکھیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی مراقی مالیخولیائی تھے یا نہیں؟ یہ یاد رکھئے کہ ہم زبردستی الزام عائد نہیں کریں گے بلکہ شہادتیں مرزا صاحب اور ان کے متبعین کی کتابوں سے ہی پیش کریں گے پھر آپ کو انصاف کی دعوت دیں گے کہ خدارا بتائیے کہ یہ اپنی اور اطبا کی شہادتوں کے آئینے میں کیا ہیں؟ تو لیجئے پہلی شہادت مرزا صاحب کے صاحبزادے مرزا البشیر احمد کی ملاحظہ فرمائیے:

''ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے کئی دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے سنا ہے کہ مجھے ہسٹریا ہے۔ بعض اوقات آپ مراق فرمایا کرتے تھے لیکن دراصل بات یہ ہے کہ آپ کو دماغی محنت اور شبانہ روز تصنیف کی مشقت کی وجہ سے بعض ایسی عصبی علامات پیدا ہوجایا کرتی تھیں جو ہسٹریا کے مریضوں میں عموماً دیکھی جاتی ہیں۔ مثلاً کام کرتے کرتے یک دم ضعف ہوجانا چکروں کا آنا، ہاتھ پاؤں کا سرد ہوجانا، گھبراہٹ کا دورہ ہوجانا، ایسا معلوم ہوتا کہ ابھی دم نکلتا ہے یا کسی تنگ جگہ یا بعض اوقات زیادہ آدمیوں میں گھر بیٹھنے سے دل کا سخت پریشان ہونے لگنا وغیرہ ذالک۔'' (سیرۃ المہدی حصہ دم، ص ۵۵، روایت نمبر ۳۶۹۔ مصنفہ صاحبزادہ بشیر احمد صاحب)

دونوں صاحبان کے بیان سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ مرزا صاحب کو مراق تھا اور ایک مراقی میں جو علامتیں ہوتی ہیں بشیر احمد صاحب نے ان کی تصدیق کردی ہے۔ پھر کسی کی کیا مجال کہ مراق سے انکار کردے۔ مرزا صاحب تو مراق فرمایا کرتے تھے گویا کوئی اختیاری چیز ہو اور انداز تحریر تو یہ بتاتا ہے جیسے مراق کوئی تفریحی چیز ہو اور مرزا صاحب اس کو کبھی کبھی استعمال کرتے ہوں۔ عام لوگ تو مراق کو جنون وسودا ہی سمجھتے ہیں اور عموماً جنونیوں کی حرکتوں سے لوگ لطف اندوز بھی ہوتے ہیں۔ خیر ہمیں اس سے کیا بحث کہ مرزا صاحب اپنی مراقی کیفیت میں کیا کیا کرتے تھے۔

یہاں دیکھنا یہ ہے کہ ماہرین اطباء نے مراق کی جو علامتیں بتائی ہیں وہ ساری علامتیں مرزا صاحب میں پائی جاتی تھیں یا نہیں؟ کہیں مرزا صاحب کو اپنے بارے میں شبہ تو نہیں ہوگیا، حالانکہ سیرۃ المہدی کے حوالہ سے جو اقتباس نقل کیا گیا ہے۔ اس میں مراقیوں کی بہت سی علامتیں بتائی گئی ہیں وہ مرزا صاحب میں پائی جاتی تھیں۔ یہی نہیں مرزا صاحب کا مراق، مالیخولیا اتنا عام تھا کہ ان کے معتقدین بھی مراق کا برملا اظہار کرتے تھے، دیکھئے مرزا صاحب کے ایک ترجمان فرماتے ہیں:

''مراق کا مرض حضرت مرزا صاحب میں موروثی نہ تھا بلکہ خارجی اثرات کے ماتحت پیدا ہوا اور اس کا باعث سخت دماغی محنت، تفکرات، غم اور سوء ہضم تھا جس کا نتیجہ دماغی ضعف تھا اور جس کا اظہار مراق اور دیگر ضعف کی علامات مثلاً دوران سر کے ذریعہ ہوتا تھا۔'' (رسالہ ''ریویو'' قادیان۔ ص ۱۰ بابت اگست ۱۹۲۶ء)

بیوی بھی مراقی: اس عبارت کو دوبارہ پڑھ لیجئے اور دیکھئے کہ مراق کی وہ علامتیں جو اطباء نے لکھی ہیں وہ ہیں یا نہیں؟ پھر وہ خارجی اثرات سے پیدا ہوا ہو یا موروثی ہو بہرحال مراق تھا، یہ بھی مان لیجئے کہ مراق خارجی اثرات سے ہوتا ہے اور اختلاط سے بھی مراق ہوجاتا ہے۔ چنانچہ جنسی اختلاط کی بناء پر مرزا صاحب کی بیوی بھی مراق کا شکار ہوگئیں۔ ملاحظہ فرمائیے اہلیہ کا مراق:

''میری بیوی کو مراق کی بیماری ہے۔ کبھی کبھی وہ میرے ساتھ ہوتی ہے۔ کیونکہ طبی اصول کے مطابق اس کے لیے چہل قدمی مفید ہے۔ ان کے ساتھ چند خادم عورتیں بھی ہوتی ہیں اور پردے کا پورا التزام ہوتا ہے۔ ہم باغ تک جاتے ہیں پھر واپس آجاتے ہیں۔'' (مرزا غلام احمد قادیانی صاحب کا بیان عدالت مندرجہ اخبار ''الحکم'' قادیان۔ ج ۵۔ مورخہ ۱۰ر اگست ۱۹۰۱ء منقول از منظور الٰہی۔ ص ۲۴۴)

ایک مراقی میں جو علامتیں ہوتی ہیں بشیر احمد صاحب نے ان کی تصدیق کردی ہے۔ پھر کسی کی کیا مجال کہ مراق سے انکار کردے۔ مرزا صاحب تو مراق فرمایا کرتے تھے گویا کوئی اختیاری چیز ہو اور انداز تحریر تو یہ بتاتا ہے جیسے مراق کوئی تفریحی چیز ہو اور مرزا صاحب اس کو کبھی کبھی استعمال کرتے ہوں۔

مرزا صاحب کو اپنے مراقی ہونے پر مکمل اطمینان تھا، یہ بیماری ان کو وراثت میں ملی تھی اور علامتوں نے اس موروثی بیماری پر مہر تصدیق ثبت کردی۔ یہ بیماری ان کی پہلی بیوی ساتھ لے کر آئیں یا مرزا صاحب کو ننہال سے ملی، اس کا فیصلہ آپ خود ہی درج ذیل تحریر پڑھ کر کریں۔ صاحبزادہ بشیر احمد صاحب لکھتے ہیں:

''بیان کیا مجھ سے والدہ صاحبہ نے کہا کہ حضرت (مرزا) صاحب کے ایک حقیقی ماموں تھے۔ جن کا نام مرزا جمعیت بیگ تھا۔ ان کے ہاں ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہوئے اور ان کے دماغ میں کچھ خلل آگیا تھا۔ لڑکے کا نام مرزا علی شیر تھا اور لڑکی کا حرمت بی بی۔ لڑکی حضرت صاحب کے نکاح میں آئی اور اسی کے بطن سے مرزا سلطان احمد اور فضل احمد پیدا ہوئے۔ (سیرۃ المہدی حصہ اول۔ ص ۲۰۶، روایت نمبر ۲۱۲) (جاری)

ہفت روزہ الجمعیۃ نئی دہلی کی
خصوصی پیشکش
تحفظ ختم نبوت نمبر
ان شاء اللہ العزیز انتہائی آب وتاب کے ساتھ بہت جلد منظر عام پر آرہا ہے
مکمل تفصیلات آئندہ ملاحظہ فرمائیں
رابطہ ہفت روزہ الجمعیۃ، مدنی ہال (بیسمینٹ) ۱ بہادر شاہ ظفر مارگ، نئی دہلی ۲
موبائل: 09868676489 — ای میل: aljamiatweekly@gmail.com

جمعیۃ علماء ہند کے نائب صدر حضرت الاستاذ مولانا ریاست علی ظفر بجنوریؒ کی
حیات وخدمات پر مشتمل
ہفت روزہ الجمعیۃ دھلی کی
خصوصی اشاعت
مولانا ریاست علی ظفر بجنوریؒ نمبر
اپنی تمام تر خوبیوں، بھترین مضامین، شاندار طباعت اور دیدہ زیب ٹائٹل کے ساتھ منظر عام پر آچکا ھے۔
صفحات ۱۹۶ | سائز: ۲۳×۳۶/۸ | قیمت -/150
رابطہ ہفت روزہ الجمعیۃ، مدنی ہال (بیسمینٹ) ۱ بہادر شاہ ظفر مارگ، نئی دہلی ۲
موبائل: 09868676489

میڈیا کی آزادی پر قدغن لگانے والے لیڈران

آر ایس ایف نے وزیر اعظم مودی، عمران خان اور شیخ حسینہ کو فہرست میں شامل کیا

رپورٹرز وِداؤٹ باؤنڈریز نے ۳۷ عالمی رہنماؤں کی فہرست پیش کرتے ہوئے انھیں میڈیا کی آزادی کیلئے 'پریڈیٹر' کہا

پریس واچ ڈاگ- رپورٹرز وداؤٹ باؤنڈریز (آر ایس ایف) نے ان عالمی رہنماؤں کی ایک فہرست جاری کی ہے جو آزادیٔ صحافت پر پابندیاں عائد کرتے ہیں۔ اس فہرست میں وزیر اعظم نریندر مودی کے ساتھ پاکستان کے وزیر اعظم عمران خان کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ پریس کی آزادی کو کنٹرول کرنے والے رہنماؤں میں شمالی کوریا کے تانا شاہ کم جونگ اِن اور سعودی عرب کے ولی عہد محمد بن سلمان کا نام بھی ہے۔ دنیا کے ۳۷ رہنماؤں کی اس فہرست میں ۱۷ نئے لیڈروں کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ اس فہرست میں وزیر اعظم نریندر مودی کو بھی شامل کیا گیا ہے۔

آر ایس ایف کے ۲۰۲۱ء کے ورلڈ فریڈم انڈیکس میں ہندستان ۱۸۰ ممالک میں ۱۴۲ویں نمبر پر ہے۔ دی وائر کے مطابق وزیر اعظم مودی پاکستان کے وزیر اعظم عمران خان، سعودی عرب کے ولی عہد محمد بن سلمان، میانمار کے فوجی حکمراں من آنگ ہلنگ اور شمالی کوریا کے تانا شاہ کم جونگ کے ساتھ ان ۳۲ دیگر رہنماؤں میں شامل ہو گئے ہیں جن کے بارے میں آر ایس ایف نے کہا ہے کہ وہ سینسر شپ کے ذریعہ پریس کی آزادی کو روندتے ہیں اور صحافیوں کو من مانے ڈھنگ سے جیل میں ڈال دیتے ہیں یا ان کے خلاف تشدد کو ہوا دیتے ہیں۔

آر ایس ایف نے پاکستان کے بارے میں کہا کہ عمران خان کی حکمرانی کے سائے میں پاکستانی فوج کا اثر زیادہ گہرا ہے۔ آر ایس ایف نے سعودی عرب کے ولی عہد شہزادہ بن سلمان کی حکومت کو ظالمانہ قرار دیا۔ اس نے کہا ہے کہ وہ جاسوسی اور دھمانے کے طریقے، اغوا، تشدد اور ایسی سطح تک پہنچ جاتے ہیں جس کا تصور کرنا بھی مشکل ہے۔ جمال خاشقجی کا قتل ان کے جابرانہ اور وحشیانہ انداز کو ظاہر کرتا ہے۔ سال ۲۰۱۶ء کے بعد یہ پہلا موقع ہے کہ جب آر ایس ایف اس طرح کی فہرست شائع کر رہا ہے۔

جنوبی ایشیا میں وزیر اعظم نریندر مودی، عمران خان، شیخ حسینہ اور سری لنکا کے وزیر اعظم کو بھی ان رہنماؤں میں شامل کیا گیا ہے جو پریس کی آزادی کو کنٹرول کرتے ہیں۔ ان رہنماؤں کی پریڈیٹر کے طور پر شناخت کی گئی ہے۔ وزیر اعظم مودی کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ۲۰۱۴ء میں وزیر اعظم بننے کے بعد وہ ایک پریڈیٹر رہے ہیں اور اپنے طریقوں کو نیشنلسٹ پاپولرازم اور پروپیگنڈہ کی صورت میں لسٹ کرتے ہیں۔ آر ایس ایف کہتا ہے کہ دائیں بازو اور وزیر اعظم مودی کے حامی سیکولر نظریات پر تنقید کرنے کے لیے اسے 'مسی کلر' کہتے ہیں اور اسی طرح وہ پریس کو پریسٹی ٹیوٹس کہہ کر مخاطب کرتے ہیں۔

مودی سرکار کے ۴۲ فیصد وزراء داغدار

۹۰ فیصد وزراء کروڑ پتی، پندرہ فیصد آٹھویں سے دسویں پاس: اے ڈی آر

مودی سرکار کی نئی وزارتی کونسل کے بارے میں ایک چونکا دینے والی رپورٹ آئی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ نئی وزارتی کونسل میں ۷۸ وزراء میں سے ۴۲ فیصد نے اپنے خلاف فوجداری مقدمات کا اعلان کیا ہے۔ ان میں سے چار کا تعلق اقدامِ قتل سے ہے۔ یہ انکشاف انتخابی اصلاحات پر ریسرچ کرنے والے ایک ورکنگ گروپ اے ڈی آر نے اپنی رپورٹ میں کیا ہے۔ ابھی حال ہی میں کابینہ کے پندرہ نئے وزرا اور ۲۸ وزرائے مملکت نے حلف لیا جس کے بعد وزارتی کونسل کے ممبروں کی کل تعداد بڑھ کر ۷۸ ہوگئی۔ ایسوسی ایشن فار ڈیموکریٹک ریفارمس (اے ڈی آر) نے انتخابی حلف ناموں کا حوالہ دیتے ہوئے کہا ہے کہ ان کے تجزیہ میں پایا گیا ہے کہ تمام وزراء میں سے ۳۳ (۴۲ فیصد) کے خلاف فوجداری مقدمات درج ہیں۔ تقریباً ۲۴ یا ۳۱ فیصد وزراء نے سنگین فوجداری مقدمات کا اعلان کیا ہے جن میں قتل، اقدامِ قتل، ڈکیتی وغیرہ شامل ہیں۔ وزیر مملکت برائے داخلہ بننے والے کوچ بہار کے حلقے کے نشیت پرمانت نے اپنے خلاف قتل سے جڑے ایک مقدمے کا اعلان کیا ہے۔

اے ڈی آر کی رپورٹ کے مطابق کابینہ کے ۷۸ وزراء میں سے ۷۰ یعنی ۹۰ فیصد وزراء کروڑ پتی ہیں۔ ان کی اوسطاً جائیداد ۱۶ء۲۴ کروڑ روپے کی ہیں۔ چار وزراء نے انتخابی حلف ناموں میں اپنے اثاثوں کی مالیت ۵۰ کروڑ ظاہر کی ہے۔ ان میں شہری ہوابازی کے وزیر جیوترادتیہ سندھیا، ٹیکسٹائل کے وزیر پیوش گوئل، ایم ایس ایم ای کے وزیر نارائن رانے اور وزیر مملکت برائے آئی ٹی راجیو چندر شیکھر شامل ہیں۔

وہیں آٹھ وزراء ایسے ہیں جنھوں نے بتایا کہ ان کے اثاثے ایک کروڑ سے بھی کم ہیں، ان میں پریما بھومک، جان بارلا، کیلاش چودھری، وشیشر ٹوڈو، وی مرلی دھرن، رامیشور تیلی، شانتونو ٹھاکر اور نتیش پرمانک شامل ہیں۔ سولہ وزراء نے اپنی دین داری ایک کروڑ سے زیادہ بتائی ہے۔ ان سولہ میں سے تین وزراء نے اپنی دین داری دس کروڑ سے زیادہ بتائی ہے، ان میں نارائن رانے، پیوش گوئل اور کرشنا پال شامل ہیں۔

دوسری جانب سرکار کے بارہ وزراء یعنی پندرہ فیصد نے اپنی تعلیمی لیاقت آٹھویں سے بارہویں پاس تو ۶۴ یعنی ۸۲ فیصد وزراء نے گریجویشن یا اس سے زیادہ بتائی ہے۔ دو وزراء ڈپلوما کیے ہوئے ہیں۔

رپورٹ کے مطابق دو وزراء آٹھویں پاس، تین دسویں پاس، سات بارہویں پاس، پندرہ گریجویٹ، ۲۱ پوسٹ گریجویٹ اور ۹ ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کیے ہوئے ہیں۔

مسلمانوں پر ہونے والے ظلم و زیادتی کے حوالہ سے نکڑ پر بیٹھ کر باتیں کرنا کوئی جرم نہیں: ممبئی ہائی کورٹ

مسلمانوں پر ہونے والے ظلم و زیادتی کے تعلق سے نکڑ پر بیٹھ کر گفتگو کرنا کوئی جرم نہیں۔ یہ تبصرہ ممبئی ہائی کورٹ نے مہاراشٹر کے پربھنی شہر سے ممنوع تنظیم داعش کے ہم خیال ہونے اور غیر قانونی سرگرمیوں میں ملوث ہونے کے الزامات کے تحت گرفتار مسلم نوجوان اقبال احمد کبیر احمد کی ضمانت عرضداشت پر سماعت کے دوران کیا۔ جسٹس ایس ایس شنڈے نے اپنے تبصرہ میں کہا کہ اس طرح کی گفتگو کرنا کوئی جرم نہیں۔ چھوٹے شہروں میں لوگ اکثر نکڑ پر بیٹھ کر گلی سے لے کر دلّی تک کی سیاست، ڈونالڈ ٹرمپ سے لے کر جوئے بائیڈن تک کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں۔ چھوٹے شہروں میں لوگ اکثر ایسی گفتگو کرتے رہتے ہیں لہٰذا ایسی گفلگو کرنا جرم نہیں ہے۔ ممبئی ہائی کورٹ کی دو رکنی بینچ کے جسٹس ایس ایس شنڈے اور جسٹس جے این جمعدار کے روبرو ملزم اقبال احمد کی ضمانت عرضداشت پر بحث کرتے ہوئے سینئر ایڈوکیٹ مہر ڈیسائی نے عدالت کو بتایا کہ پانچ سال کا عرصہ گزر جانے کے باوجود ابھی تک ملزم کے مقدمہ کی سماعت شروع نہیں ہوئی ہے اور چارج شیٹ میں ایسا کہیں بھی نہیں لکھا ہے کہ ملزم نے بم بنایا تھا یا وہ کسی بھی طرح کی غیر قانونی سرگرمیوں میں ملوث تھا۔ ایڈوکیٹ مہر ڈیسائی نے عدالت کو بتایا کہ ملزم کے گھر سے بیعت برآمد کرنے کا استغاثہ نے دعویٰ کیا ہے لیکن استغاثہ نے خود اپنی فرد جرم میں اس بات کا اقرار کیا ہے کہ بیعت دیگر ملزم رئیس احمد نے لکھی تھی اور وہ بیعت ملزم ناصر یافعی کے اشارے پر ملزم اقبال کے گھر سے برآمد کی گئی تھی۔ مہر ڈیسائی نے عدالت کو مزید بتایا کہ بیعت کی قانونی حیثیت صفر ہے اور مسلمانوں پر ہونے والے ظلم و زیادتی کے بارے میں گفتگو کرنا، ان کی فکر کرنا کوئی جرم نہیں۔ ایڈوکیٹ مہر دیسائی نے دورانِ بحث عدالت کو حالیہ سپریم کورٹ اور ممبئی ہائی کورٹ کے فیصلوں کے حوالے سے بتایا کہ پیانچ سال کا عرصہ جیل میں گزارنے اور ٹرائل شروع نہ ہونے کی بنیاد پر ملزمین کو ضمانت پر رہا کیا گیا ہے لہٰذا ملزم کو بھی ضمانت پر رہا کیا جانا چاہیے۔ ایڈوکیٹ مہر دیسائی کی بحث کے اختتام کے بعد این آئی اے کی نمائندگی کرنے والی ایڈوکیٹ ارونا پائی نے عدالت کو بتایا کہ ملزمین ہندستان اور بیرون ہندستان مسلمانوں پر ہونے والے ظلم کے بارے میں گفتگو کرتے تھے اور وہ اس کا بدلہ لینا چاہتے تھے جس پر جسٹس شندے نے کہا کہ اس طرح کی گفتگو کرنا کوئی جرم نہیں۔ چھوٹے شہروں میں لوگ اکثر نکڑ پر بیٹھ کر گلی سے لے کر دلّی تک کی سیاست، ڈونالڈ ٹرمپ سے لے کر جوئے بائیڈن تک کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں۔ چھوٹے شہروں میں لوگ اکثر ایسی گفتگو کرتے رہتے ہیں لہٰذا ایسی گفتگو کرنا کوئی جرم نہیں ہے۔

ایڈوکیٹ ارونا پائی نے عدالت کو مزید بتایا کہ ملزمین ہندستان میں بم دھماکہ کرنا چاہتے تھے اور چاروں ملزمین کے مقدمہ کو ایک ساتھ دیکھنا چاہیے۔ ملزم اقبال کے مقدمہ کو الگ کرکے نہیں دیکھنا چاہیے کیونکہ اس کے گھر سے بیعت کے علاوہ ملزمین ناصر یافعی اور شاہد خان نے اپنے بیانات میں کہا ہے کہ اقبال کے گھر پر بم بنایا گیا تھا۔ ایڈوکیٹ ارونا پائی نے عدالت کو مزید بتایا کہ ملزم کو ضمانت پر رہا کرنے کی بجائے عدالت کو نچلی عدالت کو چھ ماہ میں مقدمہ مکمل کرنے کا حکم دینا چاہیے جس پر جسٹس شندے نے کہا کہ ہم نے ماضی میں مختلف مواقع پر عدالتوں کو جلد از جلد سماعت مکمل کیے جانے کا حکم دیا لیکن ہمارے حکم کے باوجود عدالتیں مقررہ مدت میں مقدمات فیصل کرنے میں ناکام رہی ہیں۔ پر آج فریقین کی بحث مکمل ہوگئی جس کے بعد عدالت نے فیصلہ محفوظ کرلیا۔

تجزیہ — عارف عزیز، بھوپال

منشیات کے فروغ میں حکمرانوں کی مفاد پرستی کا دخل

آزادی سے قبل ہندوستان کے سیاسی رہنماؤں نے نشہ بندی کے لئے کافی جدوجہد کی تھی مگر انگریز حکمراں کی پالیسی کے آگے ان کی ایک نہ چلی ۱۹۴۷ء میں جب ہندوستان آزاد ہوا تو بجا طور پر یہ توقع کی گئی کہ اب شراب اور دیگر مہلک منشیات کی لعنت سے ملک کو پاک کردیا جائے گا غالباً اسی عوامی دباؤ کو پیش نظر رکھ کر دستور سازوں نے بھی نشہ بندی کو آئین کے رہنما اصولوں میں شامل کردیا تھا لیکن ان تمام امیدوں اور آرزوؤں کے برخلاف آزادی کے ۴۷ برسوں میں شراب نوشی اور دیگر منشیات کا دائرہ نہ صرف وسیع ہوا ہے بلکہ اسے حکومت کی باضابطہ سرپرستی بھی حاصل ہوگئی ہے حالانکہ ۱۹۵۲ء میں ملک کے ایک تہائی حصہ میں نشہ بندی لاگو تھی لیکن آج ایک دو ریاستوں کے سوا پورے ملک میں نشہ بندی کا خاتمہ ہوچکا ہے اور آزادی کے وقت جن شراب بنانے کے کارخانوں کی تعداد ۸۳ تھی آج وہی ہزار کے قابل لحاظ عدد کو پار کرچکے ہیں اور ہر سال ان کارخانوں میں تیار کی گئی شراب جو یقیناً ۵۰ ارب روپے کی ہوتی ہے پوری آزادی سے استعمال کی جارہی ہے اور صرف اسی سے ہر سال حکومت کو اربوں روپے کی آمدنی ہورہی ہے۔

خمریات اور منشیات کا یہ بڑھتا ہوا سیلاب جہاں ملک کی اخلاقی قدروں کو پامال کررہا ہے وہیں حکمراں طبقہ کی اس خودغرضی اور مفاد پرستی کو بھی نمایاں کرتا ہے جس کے تحت اس نے اپنے حقیر مالی مفادات پر قوم کے اخلاق اور کردار کو بھینٹ چڑھا دیا ہے۔ گذشتہ سات دہائیوں کے دوران یہی ستم نہیں ہوا کہ حکومت اور شراب کے تاجروں نے عوام کے سرمایہ اور صحت سے کھیل کر خوب چاندی بنائی ہو بلکہ یہ بھی ہوا ہے کہ اس کے وسیلے سے کالی دولت ملک کی اقتصادیات کے رگ وپے میں دوڑنے لگی ہے۔

اس کے علاوہ دوسری سنگین حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کے کاربار کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے ان تمام اصول وقواعد کو نہایت بے شرمی سے توڑ دیا گیا ہے جو مسجدوں، مندروں، گردواروں، تعلیمی اداروں اور دیگر ایسے مقامات کے نزدیک جہاں خواتین کی آمد ورفت رہتی ہے شراب خانے قائم کرنے اور دوکانیں لگانے کی اجازت نہیں دیتے، مگر رائے عامہ کی مرضی کے خلاف کسی کا اثر ورسوخ وہاں کام آجاتا ہے اور نتیجہ میں جسم پر کوڑھ کے زخم کی طرح نظر آنے والے شراب خانے اور دوکانیں وہاں کام کرنے لگتی ہیں اور وہ سب سے زیادہ غریبوں یا نچلے متوسط طبقہ کے اخلاق وکردار نیز اقتصادیات کی تباہی کا باعث بنتے ہیں اس کے علاوہ متمول طبقہ ہی نہیں پسماندہ طبقات بالخصوص قبائل بھی منشیات کی اس لعنت میں بری طرح گھرتے جارہے ہیں، لہٰذا گذشتہ دنوں اس خبر نے ملک کے اخبارات میں نمایاں جگہ پاکر سب کو حیران کردیا کہ مدھیہ پردیش کے بستر اور جھابوا جیسے پچھڑے اضلاع کی آدیباسی لڑکیوں نے شغل مےنوشی میں بڑے بڑے شہروں کے لڑکوں کو پیچھے چھوڑ دیا ہے جبکہ بڑے شہروں میں بھی نشہ بازوں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے اور صرف ممبئی کے اسکولوں اور کالجوں کے طلباء وطالبات میں روز افزوں نشہ کی لت کو دیکھتے ہوئے ممبئی یونیورسٹی نے اس کا جائزہ لینے کے لئے ایک خصوصی شعبہ قائم کیا ہے جس نے اپنی رپورٹ میں بتایا ہے کہ ایسے نوجوان طلباء اور طالبات کی ممبئی عظمیٰ میں تعداد ایک لاکھ سے زیادہ ہے۔

اس سے زیادہ سنگین صورت حال دارالحکومت نئی دہلی کی ہے جہاں کئے گئے ایک سروے کے مطابق صرف نئی دہلی میں ایک لاکھ سے زائد طلباء اور طالبات نشہ کی عادت میں مستقل گرفتار ہیں اور ان میں ہر سال اضافہ ہورہا ہے۔ پھر نشہ کی لت نے کیوں کہ ہمارے سماج میں ایک فیشن اور اس سے بڑھ کر عادت کا درجہ حاصل کرلیا ہے اس لئے اس کے حصول یا فراہمی میں بدعنوانیاں بھی بڑھتی جارہی ہیں، جس کا ایک ثبوت ممبئی، بڑودہ، بھونیشور، دہلی، احمد آباد اور اندور وغیرہ کے وہ حادثے ہیں جن میں زہریلی شراب پی کر اب تک ہزاروں افراد موت کی نیند سوچکے ہیں۔

جہاں تک اس لعنت کے انسداد کا سوال ہے تو افسوس کے ساتھ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ جس شدت سے یہ برائی نوجوان نسل میں پھیل رہی ہے اس شدت سے اس کو روکنے کی نہ تو حکومت کو فکر ہے نہ نئی نسل کے سرپرستوں کے پاس وقت ہے کہ وہ دیکھیں کہ ان کے چہیتے کیا گل کھلا رہے ہیں۔ حالانکہ اس کے لئے سب سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ حکومت اور سرپرست دونوں اس پر خصوصی توجہ دیں خاص طور پر جن ریاستوں میں بھارتیہ جنتا پارٹی کی ریاستی حکومتیں کام کررہی ہیں اور وہاں ہندو تہذیب واخلاقیات کے تحفظ کی دہائی دی جارہی ہے کم از کم شراب بندی ہی کردی جائے۔ تو اس سے روکنے والا کون ہے لیکن ملک کی سب سے بڑی ریاست اترپردیش میں تو اس کے برعکس ہورہا ہے کہ وہاں کی بھاجپا سرکار کی کھپت بند کرنے یا اس میں کمی لانے کے بجائے اضافہ کی تدابیر اختیار کررہی ہے، شراب کی برائی اور اس کے ذریعہ ہونے والی اخلاقی واقتصادی تباہی کو سمجھنے کے باوجود بی جے پی ریاستی سرکار کا اخلاقی اصول ونظریات اور مذہبی روایات کے خلاف یہ عمل اگر کچھ ظاہر کرتا ہے تو وہ یہی ہے کہ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور، دکھانے کے اور ہوتے ہیں، سنگھ پریوار کا ہی ایک حصہ شیوسینا اور اس کے سربراہ بال ٹھاکرے کے بارے میں یہ حقیقت سب جانتے ہیں کہ وہ شراب نوشی کے مکمل امتناع کے حامی نہیں تھے اسی لئے مہاراشٹر میں گجرات، بہار اور آندھرا پردیش کی طرح شراب پر پابندی عائد نہ ہوسکی۔ حکمرانوں اور سیاست دانوں کا مفاد پرستی پر مبنی یہی رویہ ہے جو ہندوستان میں منشیات کے سیلاب میں اضافہ کا باعث بن رہا ہے۔

کھیل کی دنیا

آئی سی سی کے ۲۰۲۳ء ورلڈ ٹیسٹ چمپئن شپ پوائنٹ نظام کا اعلان

انٹرنیشنل کرکٹ کونسل (آئی سی سی) نے ورلڈ ٹیسٹ چمپئن شپ (ڈبلیو ٹی سی) کے دوسرے ایڈیشن کے ساتھ ساتھ دوطرفہ سیریز کے لیے نئے پوائنٹ نظام کی تصدیق کی ہے جو اگلے مہینے شروع ہونے والی ۲۳-۲۰۲۱ء سائیکل کا حصہ ہوگی۔ آئی سی سی کی طرف سے جاری بیان کے مطابق آئندہ ڈبلیو ٹی سی میں ہر ایک میچ میں جیت کے لیے ۱۲، ٹائی کے لیے چھ اور ڈرا کے لیے چار پوائنٹ ملیں گے۔

پچھلے نظام سے ہٹ کر جہاں ہر ایک سیریز کے لیے برابر پوائنٹ دیئے گئے تھے، کھیلے گئے میچوں کی تعداد میں تقسیم پچھلے نظام میں ہر ایک سیریز کے لیے یہ پوائنٹ دیئے گئے تھے جو کھیلے گئے میچوں کی تعداد میں تقسیم تھے۔ آئی سی سی کے قائم مقام چیف ایگزیکٹو جیوف الارڈس نے ایک بیان میں کہا کہ گزشتہ برس خلل سے سبق لیتے ہوئے پوائنٹ نظام کو آسان بنانے کے لیے تبدیلی کی گئی ہے۔ ہمیں فیڈ بیک ملا ہے کہ پچھلے پوائنٹ نظام کو آسان بنانے کی ضرورت ہے۔ ہر میچ کے لیے ایک نئے معیاری پوائنٹ نظام کی تجویز رکھتے وقت کرکٹ کمیٹی نے اسے مدنظر رکھا۔ اس نے یہ یقینی بنانے کے اصول کو برقرار رکھا کہ دو ٹیسٹ اور پانچ ٹیسٹ کے درمیان کی لمبائی میں سیریز کو ایڈجسٹ کرتے ہوئے ڈبلیو ٹی سی سیریز میں تمام میچ ایک ٹیم پوزیشن میں گنے جاتے ہیں۔ لارڈس نے کہا کہ کورونا وبا کے دوران ہمیں ایک ٹیم کی طرف سے جیتے گئے دستیاب پوائنٹس کو فیصد کا استعمال کرکے پوائنٹ ٹیبل پر رینکنگ ٹیموں میں بدلنا پڑا کیونکہ تمام سیریز مکمل نہیں ہوسکی تھیں۔ اس سے ہمیں فائنلسٹ کا تعین کرنے میں مدد ملی اور ہم مقررہ وقت کے اندر چمپئن شپ مکمل کرنے کے قابل تھے۔ اس طریقۂ کار نے ہمیں کسی بھی وقت ٹیموں کی کارکردگی کا موازنہ کرنے کی اجازت دی خواہ انھوں نے کتنے ہی میچ کھیلے ہوں۔ اس درمیان نیوزی لینڈ کے کپتان کین ولیمس، ہندستان کپتان وراٹ کوہلی اور انگلینڈ کے کپتان جو روٹ آئی سی سی عالمی ٹیسٹ چمپئن شپ کے دوسرے ایڈیشن میں اپنی بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کرنے کے لیے پرجوش ہیں جو ۴؍اگست کو ناٹنگھم میں انگلینڈ- ہندستان سیریز کے ساتھ شروع ہوگی۔ ڈبلیو ٹی سی کے دوسرے ایڈیشن میں بھی پہلے ایڈیشن کی طرح نو ٹیمیں چھ چھ سیریز کھیلیں گے۔ تین گھریلو اور تین گھر سے باہر۔ کٹ آف تاریخ ۳۱؍مارچ ۲۰۲۳ء ہوگی۔

ڈبلیو ٹی سی ۲۳-۲۰۲۱ء کا شیڈول

آسٹریلیا، انگلینڈ، جنوبی افریقہ، ویسٹ انڈیز، ہندستان، پاکستان، سری لنکا، بنگلہ دیش، پاکستان، ہندستان، سری لنکا، جنوبی افریقہ، نیوزی لینڈ، ویسٹ انڈیز، انگلینڈ، ہندستان، جنوبی افریقہ، نیوزی لینڈ، پاکستان، ویسٹ انڈیز، آسٹریلیا، ہندستان، سری لنکا، نیوزی لینڈ، آسٹریلیا، بنگلہ دیش، انگلینڈ، جنوبی افریقہ، نیوزی لینڈ، جنوبی افریقہ، بنگلہ دیش، سری لنکا، انگلینڈ، پاکستان، ہندستان، پاکستان، آسٹریلیا، انگلینڈ، نیوزی لینڈ، سری لنکا، بنگلہ دیش، ویسٹ انڈیز، جنوبی افریقہ، ہندستان، ویسٹ انڈیز، بنگلہ دیش، نیوزی لینڈ، ہندستان، ویسٹ انڈیز، پاکستان، بنگلہ دیش، انگلینڈ، آسٹریلیا، جنوبی افریقہ، سری لنکا۔

درزی کی بیٹی نشا نے محنت ولگن کے دم پر ہندستان کی اولمپک ہاکی ٹیم میں جگہ بنائی

جب وہ بڑی ہو رہی تھی تو نشا وارثی کے خواب زیادہ بڑے نہیں تھے۔ وہ ہمیشہ کھیلوں میں دلچسپی لیتی تھی لیکن وہ ایک ایسے کھیل کا انتخاب کرنا چاہتی تھی جو اس کے والدین کے خوابوں کو متاثر نہ کرے۔ اس کا کنبہ زیادہ خرچ نہیں اُٹھا سکتا تھا اور کھیل کے ذریعہ ملنے والی ملازمت ہمیشہ مددگار ثابت ہوتی ہے۔ ایسی صورتحال میں نشا نے ہاکی کا انتخاب کیا۔ اپنی محنت اور لگن کے دم پر نشا ٹوکیو اولمپکس کے لیے جارہی ہیں۔ اس کا خواب ساتھی کھلاڑیوں کا ہاتھ تھامے پوڈیم پر کھڑا ہونا اور اپنے ملک اور والدین کو فخر کا احساس کرانا ہے۔ ۲۶ سالہ ڈیفینڈر جلد ہی اپنا پہلا اولمپک کھیلتی نظر آئیں گی۔ نشا دولت مشترکہ کھیلوں میں میڈل جیتنے والی ٹیم کا حصہ ہیں۔ وہ پریتم سیواچ کی سونی پت میں واقع اکیڈمی سے ہے۔ انھوں نے یہاں تک پہنچنے کے لیے کئی لڑائیاں بھی لڑی ہیں۔ ان کے والد سہراب احمد ایک درزی تھے۔ ۲۰۱۵ء میں انھیں لقوا مار گیا اور انھیں کام چھوڑنا پڑا۔ ان کی والدہ مہرون ایک فوم بنانے والی کمپنی میں کام کیا کرتی تھیں لیکن نشا کو ریلوے میں ملازمت مل جانے کے بعد انھوں نے کام چھوڑ دیا۔ کئی سماجی رکاوٹیں بھی تھیں لیکن کوچ سیواچ نے نشا کا ساتھ دیا۔ انھوں نے ان کے والدین کو سمجھایا۔ انھیں نشا کو اپنے خواب پورا کرنے دینے کے لیے راضی کیا۔ نشا نے کہا کہ زندگی آسان نہیں تھی۔ میں کھیل کے لیے کافی جنونی تھی لیکن ہمارا گزر امشکل ہو رہا تھا۔ میرے والدین میرے کھیل کے کیریئر پر پیسہ خرچ نہیں کرسکتے تھے۔ میں نے ہاکی کا انتخاب اس لیے کیا تا کہ ہمیں آلات پر زیادہ خرچ نہ کرنا پڑے۔ شروع میں تھوڑی بہت ہچکچاہٹ کے بعد مہرون اپنی بیٹی کے لیے ایک بہت بڑی طاقت بنیں۔ نشا چار بہن بھائیوں میں سے تیسرے نمبر پر ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ ہمارے گھر سے میدان نصف گھنٹے کی دوری پر ہے۔ مجھے صبح ۴:۳۰ بجے اپنا گھر چھوڑنا پڑتا تھا۔ میں تنہا سفر کرنے سے ڈرتی تھی، اس لیے میرے والد مجھے اپنی سائیکل پر چھوڑنے جاتے تھے۔ کچھ وقت کے بعد نشا ہریانہ کی ٹیم اور پھر ریلوے کی ایک اہم رکن بن گئیں۔ ان کی کمائی نے گھر میں زندگی کو کچھ آسان بنا دیا۔ ۲۰۱۸ء میں نشا کو ہندستانی ٹیم کے کیمپ کے لیے منتخب کیا گیا تھا لیکن گھر چھوڑنے کا فیصلہ آسان نہیں تھا۔ انھوں نے کہا کہ میرے والد اپنی تمام ضروریات کے لیے ہم پر منحصر تھے۔ میرے ماموں مدد کے لیے آگے آئے۔ بین الاقوامی سطح پر نشا کی کارکردگی کچھ تاخیر سے نمودار ہوئی۔ وہ قومی جونیئر ٹیم میں جگہ نہیں بنا سکی۔ انھوں نے اپنا بین الاقوام ڈیبو ۲۰۱۹ء میں ہیروشیما میں ایف آئی ایچ فائنانس میں کیا، تب سے وہ نو مرتبہ ہندستان کی نمائندگی کرچکی ہیں۔ نشا کے اولمپک میں منتخب ہونے پر ان کا کنبہ پڑوسی میں مٹھائیاں تقسیم کرکے جشن منا رہا ہے لیکن نشا کے لیے اصلی لمحہ ابھی باقی ہے۔

طب وصحت

اعضائے رئیسہ کا بہت بڑا دشمن ہے موٹاپا

پھولے ہوئے گال اور لٹکا ہوا پیٹ آج کی طبّی اصطلاح کے مطابق یہ ایک بیمار انسان کا حلیہ ہے۔ ایک ایسا انسان جو صحت مندی کے نام پر بیماریوں کا لامتناہی سلسلہ اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ موٹاپا جدید دور کا وہ جن ہے جسے بوتل میں بند کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ ہر صحت مند انسان کا حد سے بڑھا ہوا وزن نہ صرف انگنت بیماریوں کا نقطۂ آغاز ہے بلکہ ہمارے اعضائے رئیسہ کا بہت بڑا دشمن بھی ہے، جن میں ہمارے جسم کی چھلنیاں یعنی گردے بھی شامل ہیں۔ ذرا سوچیں انسانی مٹھی کے برابر کمر کے نچلے حصے میں پائے جانے والے یہ دو عضلات کتنے کام کے ہیں، لیکن ہم بحیثیت انسان ان کے ساتھ کچھ اچھا سلوک نہیں کرتے۔ گردوں کے ساتھ غیر انسانی سلوک کو دیکھتے ہوئے امراض گردہ کے ماہرین کی عالمی تنظیموں نے اب سے دس سال پہلے یہ فیصلہ کیا تھا کہ گردہ کی خرابی کو کنٹرول کرنے کے لیے ضروری ہے کہ عوام الناس میں ان امراض کی آ گاہی پیدا کی جائے جو ایک دن گردوں کی مکمل خرابی کا سبب بنتے ہیں اور پھر ایک چلتے پھرتے، ہنستے بولتے انسان کے پاس زندہ رہنے کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا کہ ہفتے میں دو سے تین مرتبہ ڈائلیسس کروائے یا گردوں کی تبدیلی۔ فی زمانہ دونوں طریقۂ علاج آسان نہیں ہیں۔ گردوں کی مکمل خرابی کی ایک وجہ موٹاپا یا فربہی بھی ہے۔ اس وقت ۶۰۰ ملین بڑی عمر کے افراد موٹاپے کا شکار ہیں جن میں بچے اور نوجوان شامل نہیں ہیں لیکن بہت جلد شامل ہوجائیں گے۔ موٹاپے یا فربہی کو صحت مندی کی نشانی سمجھنے والوں کے لیے اطلاع ہے کہ جب انسانی جسم کا وزن ایک حد سے گزر جاتا ہے تو وہ فرد ذیابیطس، بلڈ پریشر جیسے امراض کے بہت قریب چلا جاتا ہے۔ یہ دونوں امراض اسے دل کی بیماری، گردوں کی خرابی اور گردوں میں پتھریاں بننے کے امراض کے علاوہ کینسر میں بھی مبتلا کرسکتے ہیں۔ یاد رکھیں! ہندستان میں گردے کی خرابی کے ۷۰ فی مریضوں کا بنیادی مرض ذیابیطس اور ہائی بلڈ پریشر ہوتا ہے۔ ان دو امراض کے نتیجے میں خراب ہونے والے گردوں کا کوئی علاج نہیں ہے سوائے اس کے کہ زندہ رہنے کے لیے ڈائلیسس کی بیساکھیاں پکڑی جائیں۔ یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ ڈائلیسس اس وقت دُنیا کا سب سے ہنگا طریقۂ علاج ہے۔ آج سے تقریباً پندرہ سال پہلے امریکہ کے ریستورانوں میں کھانوں کے پورشن چھوٹے کردیئے گئے تھے اور مفت میں ملنے والے رنگین اور میٹھے مشروبات پر بھی پابندی عائد کردی گئی تھی۔ اس دوران لوگوں میں گھر کے پکے کھانوں کی افادیت کو بھی اجاگر کیا جانے لگا۔ یہ فارمولہ صرف امریکہ ہی کے لیے نہیں ہے، یہ ہم پر بھی لاگو ہوتا ہے۔ گزشتہ چند سالوں کے دوران جس تیزی سے فاسٹ فوڈ اور بازاری کھانے ہماری زندگیوں میں شامل ہوئے ہیں انھوں نے زندگی کے اطوار ہی بدل ڈالے ہیں۔ ایک فاسٹ فوڈ ہی نہیں ہمارے کھانے کی عادات یوں بھی کچھ ایسی نہیں۔ نہاری، مٹن قورمہ، بریانی، تکے، تلی ہوئی اشیا لامتناہی میٹھے اور ان کے ساتھ کھانے کو ہضم کرنے کے بہانے کولڈ ڈرنکس کا استعمال، ہم یہ سب کھا رہے ہیں اور کھاتے چلے جارہے ہیں، یہ سوچے بنا کہ ہم اپنے اندر کیا انڈیل رہے ہیں۔ ہم نے گھر کے بنے ہوئے کھانے چھوڑ کر مرغن غذاؤں کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا ہے۔ یہی نہیں سادہ پانی پینا ہم ہتک سمجھتے ہیں اور مختلف اقسام کی کولڈ ڈرنکس، انرجی ڈرنکس کو آبِ حیات گردانتے ہوئے گلاس پر گلاس چڑھا جاتے ہیں۔ ہم خوشی خوشی بیماریوں کو خرید کر اپنے جسم میں داخل کررہے ہیں۔ پیدل چلنا اور کسی بھی قسم کی ورزش کرنا ہماری شان کے خلاف ہے۔ ہماری خواتین گھروں میں روزمرہ کے کام اپنی توہین سمجھتی ہیں۔ ماؤں نے بچوں کو آزادی دیدی ہے، ہمارے بچے نہ صرف یہ کہ پیدل نہیں چلتے بلکہ فاسٹ کھانے کو ترجیح دیتے ہیں اور زیادہ وقت ٹی وی یا لیپ ٹاپ کے آگے لیٹ کر گزارتے ہیں۔ کتنے افسوس اور دُکھ کی بات ہے کہ گھر کی سواریوں میں اسکول جانے والے بچے اپنے بستے تک خود نہیں اُٹھاتے۔ یہ بھی اہم بات ہے کہ موٹاپے یا فربہی کو کم کرنے کا علاج بنا پیسے خرچ کیے ہم سب کے پاس ہے، یعنی ہمیں طرزِ زندگی بدلنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ کھانا زندہ رہنے کے لیے کھائیں۔ اپنے جسم کو کھانوں کا ڈسٹ بن نہ بنائیں۔ یاد رکھئے! آپ متحرک ہیں تو زندگی ہے۔ یہ کام خواتین کا ہے کہ وہ مرغن کھانے نہ پکائیں۔ اہل خانہ کی صحت کا خیال خاتون خانہ سے زیادہ کون رکھ سکتا ہے۔ نہاری پائے کھانے کا دل چاہے تو گھر میں پکا کر اپنی خواہش پوری کرلیں۔ بصورت دیگر بیماریوں کو پالتے رہیں۔ □□

ادبیات

سینہ ہمارا بزم چراغاں سے کم نہیں

قاری محمد اسحاق حافظ سہارنپوری

ایک ایک داغ شمعِ فروزاں سے کم نہیں
سینہ ہمارا بزمِ چراغاں سے کم نہیں

ارمان دل کی قید میں محبوس ہوگئے
بزمِ حیات عرصۂ زنداں سے کم نہیں

مفلوج ہوکے رہ گیا احساسِ دل مرا
صبحِ نشاط شامِ غریباں سے کم نہیں

اپنے لہو سے کانٹوں کو بھی گل بنا دیا
صحرا بھی اب تو ہم کو گلستاں سے کم نہیں

یہ تو درست نقطۂ موہوم ہے بشر
لیکن یہ نقطۂ عالم امکاں سے کم نہیں

ہر دم زباں پہ لذتیں آہ و فغاں کی ہیں
جور وستم بھی آپ کا احساں سے کم نہیں

بے تابیوں نے دل مرا محشر بنا دیا
جو سانس ہے وہ شورشِ طوفاں سے کم نہیں

جلوے تمام ہیں وہی ادراک و ذہن میں
بزمِ خیال محفلِ جاناں سے کم نہیں

دل میں تھا جو بھی ولولہ وہ دفن کردیا
اب دل کی بزم شہرِ خموشاں سے کم نہیں

ہمدرد و غمگسار جہاں ایک بھی نہ ہو
وہ شہر پُرہجوم بیاباں سے کم نہیں

راضی رضائے دوست میں رہ کر تو دیکھئے
شامِ خزاں بھی صبحِ بہاراں سے کم نہیں

کچھ ربط ہے نہ ضبط، تسلسل نہ ارتقا
یہ زندگی بھی خوابِ پریشاں سے کم نہیں

حافظ بھی ایک رند ہے، معلوم ہے ہمیں
لیکن یہ رند مردِ مسلماں سے کم نہیں

ہم سے پوچھو تو ظلم بہتر ہے

گلزار دہلوی

اس ستم گر کی مہربانی سے
دل اُچھلتا ہے زندگانی سے

خاک سے کتنی صورتیں اُبھریں
ڈھل گئے نقش کتنے پانی سے

ہم سے پوچھو تو ظلم بہتر ہے
ان حسینوں کی مہربانی سے

اور بھی کیا قیامت آئے گی
پوچھنا ہے تری جوانی سے

دل سلگتا ہے اشک بہتے ہیں
آگ بجھتی ہے اشک بہتے ہیں

حسرتِ عمرِ جاوداں لے کر
جارہے ہیں سرائے فانی سے

ہائے کیا دورِ زندگی گزرا
واقعے ہوگئے کہانی سے

کتنی خوش فہمیوں کے بت توڑے
تو نے گلزار خوش بیانی سے

ہواؤں کے رُخ جو بدلتے رہے

ڈاکٹر بشیر بدر

مسافر کے رستے بدلتے رہے
مقدر میں چلنا تھا چلتے رہے

سنا ہے انھیں بھی ہوا لگ گئی
ہواؤں کے رخ جو بدلتے رہے

محبت عداوت وفا بے رُخی
کرایہ کے گھر تھے بدلتے رہے

وہ کیا تھا جسے ہم نے ٹھکرا دیا
مگر عمر بھر ہاتھ ملتے رہے

کوئی پھول سا ہاتھ کاندھے پہ تھا
میرے پاؤں شعلوں میں جلتے رہے

سب کو احساس اخوت کا دلایا جائے

افضل شیر کوٹی

خود کو جینے کا یوں احساس دلایا جائے
پھول کے جسم کو کانٹوں سے سجایا جائے

زندگی کچھ تجھے اس طرح ہنسایا جائے
دل سے بارِ غم دُنیا کو ہٹایا جائے

شان سے جینے کا اے لوگو مزہ تب آئے
جب تو ہم کو دماغوں سے مٹایا جائے

ہم اہنسا اسے کہتے ہیں زمیں پر ناحق
ایک قطرہ بھی لہو کا نہ بہایا جائے

عظمتِ ہند کے گلشن کو کھلانا ہے اگر
ہر تعصب سے حکومت کو بچایا جائے

گر مساوات ہی لانا ہے وطن میں لوگو!
زیردستوں کے دلوں نہ دُکھایا جائے

حب وطنی کا تقاضہ ہے وطن میں افضلؔ
سب کو احساس اخوت کا دلایا جائے

آسماں ہوگا مٹھی میں اک دن

ذکی طارق بارہ بنکوی

گیت غزلیں یونہی لکھائے جا
میری فکروں پہ یار چھائے جا

غیر کو دے کے قربتیں اپنی
مجھ کو بس دور سے لبھائے جا

بھول جاؤں میں یار دنیا کو
مجھ کو تو اتنا یاد آئے جا

آسماں ہوگا مٹھی میں اک دن
حوصلے اپنے آزمائے جا

تیرا ہو جائے میرا دل شاید
اس کو ہر لمحہ ورغلائے جا

ہے دعا میری عمر بھر یونہی
اے مرے یار مسکرائے جا

اوروں سے پیار کرکے میرے لئے
جھوٹی قسمیں فقط اٹھائے جا

بقیہ :—— شجر کاری....

کا دورہ پڑنے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔

ماحولیات اور نباتات کے ماہرین کے مطابق ایک اوسط سائز کا درخت دوخاندانوں سے خارج شدہ کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس کو جذب کر کے ہوا میں کافی آکسیجن پیدا کردیتا ہے۔اس کے علاوہ درخت دن میں کافی رطوبت ہوا میں شامل کرتے ہیں، جس سے درجہ حرارت کم اور ماحول خوش گوار ہوجاتا ہے۔ بڑے بڑے سر سبز وشاداب علاقے بڑے شہروں اور صنعتی علاقوں کی ہوا میں شامل 70 فی صد سلفر ڈائی آکسائیڈ اور نائٹرک ایسڈ کو جذب کرلیتے ہیں۔

ناسا کی تحقیق کے مطابق چھوٹے پودوں کے گلدستے گھر میں رکھنے سے اندرونی فضا صاف ہوتی رہتی ہے۔ تحقیق کے مطابق آلودگی ہمارے گھروں میں مختلف ذرائع سے پھیلتی ہے؛ ان میں سگریٹ، گیس سے چلنے والے آلات، مصنوعی ریشے سے بنے ہوئے کپڑے، قالین، پردے ریفریجریٹر وغیرہ بھی کمرے کی ہوا کو آلودہ کرتے ہیں، ان سے کمرے کی ہوا میں نائٹروجن اور کاربن ڈائی آکسائیڈ جیسی گیسوں کا تناسب بڑھ جاتا ہے۔ تجربات سے ثابت ہوا ہے، ایسے کمروں میں اسپائڈر پلانٹ نامی پودوں کے گملے رکھنے سے 24 گھنٹوں کے اندر اندر ہوا میں ان گیسوں کے تناسب میں زبردست کمی آجاتی ہے۔ایک اوسط گھر میں آلودگی سے بچاؤ کے لیے ایسے 8 سے 15 پودوں کی موجودگی ضروری ہے اور پودوں کے مقابلے میں اسپائڈر پلانٹ زیادہ مؤثر پودے ثابت ہوئے ہیں۔ملک میں بڑھتی آلودگی اور موسمی تبدیلیوں سے ہم سب بہ خوبی واقف ہیں۔شجر کاری ملک کے لیے وقت کی اہم ترین ضرورت بن چکی ہے۔زیر زمین پانی کی گرتی ہوئی سطح کو روکنے کے لیے بارشوں کی اشد ضرورت ہے؛ جس کے لیے درختوں کا ہونا لازم وضروری ہے۔صانع عالم کی صناعی دیکھیے کہ درختوں کے پتوں سے پانی کے بخارات ہوا میں داخل ہوتے ہیں؛ جس سے فضا میں نمی کا تناسب موزوں رہتا ہے اور یہی بخارات اوپر جاکر بادلوں کی بناوٹ میں مدد دیتے ہیں، جس سے بارش ہوتی ہے۔کرونا وبا کے بعد ملک کے حالات اور آکسیجن کی کمی کے پے در پے واقعات کے تناظر میں یہ بات ضروری ہوچکی ہے کہ دنیا بھر کے انسانوں میں درختوں کی اہمیت وافادیت سے متعلق شعور بیدار کیا جائے، ان کو آنے والے خطرات سے آگاہ کیا جائے اور شجر کاری کے حوالے سے سالانہ وقتی اور عارضی مہم چلانے کے بجائے مستقل اوردائمی اقدامات کیے جائیں؛ تاکہ ملک کا مستقبل تاب ناک ہو اور ماحولیات کا تحفظ ممکن ہوسکے۔□□

بقیہ :—— منظر پس منظر

دُنیا میں سالانہ دس ملین بچوں کی ہلاکت

عالمی ادارہ صحت کی ایک رپورٹ کے مطابق دنیا میں ہر سال پانچ سال سے کم عمر کے تقریباً ایک کروڑ بچے ہلاک ہوجاتے ہیں۔ یعنی ایک گھنٹے میں ایک ہزار سے زیادہ بچے موت کا شکار ہوجاتے ہیں تاہم عالمی ادارہ صحت کے مطابق اگر آسان احتیاطی تدابیر اختیار کی جائیں تو ان کم عمر بچوں کی ہلاکت کو کم کیا جاسکتا ہے۔ رپورٹ کے مطابق نوزائیدہ بچوں کی زندگی کا پہلا مہینہ سب سے نازک ہوتا ہے۔ کمزوری اور مدافعت کم ہونے کے باعث ان کے مختلف امراض میں مبتلا ہوکر ہلاک ہونے کا خطرہ سب سے زیادہ ہوتا ہے۔ نومولود بچوں کی زیادہ تر ہلاکتوں کا سبب قبل از وقت پیدائش، پیدائش کے دوران پیدا ہونے والی پیچیدگیاں اور انفیکشن ہوتا ہے تاہم عالمی ادارہ صحت ڈبلیو ایچ او کی تجاویز کے مطابق اگر چند مخصوص احتیاطی تدابیر کو اختیار کیا جائے تو ان معصوموں کی زندگیاں بچائی جاسکتی ہیں۔ مثلاً دورانِ حمل مناسب دیکھ بھال، ماہر طبّی عملہ کے ذریعہ بچے کی پیدائش، بچے کی پیدائش کے فوراً بعد کی احتیاطی تدابیر جس میں بچے کے نظام تنفس کی بحالی، اسے مناسب حرارت پہنچانا، انفیکشن سے بچانے کے اقدامات اور ماں کا دودھ پلانا شامل ہے۔علاوہ ازیں ایک ماہ سے پانچ سال کی عمر کے دوران بچوں کی زیادہ تر اموات نمونیہ، اسہال، ملیریا، خسرہ اور ایچ آئی وی سے ہوتی ہیں۔ ماہرین کے مطابق غذائی کمی بھی بچوں میں ایک تہائی سے زیادہ اموات کا سبب بنتی ہیں۔

ان بیماریوں میں نمونیہ سرفہرست ہے جس سے سب سے زیادہ ہلاکتیں ہوتی ہیں۔اعداد وشمار کے مطابق صرف پندرہ ممالک میں پانچ سال سے کم عمر کے بچوں کی تین چوتھائی ہلاکتیں نمونیہ سے ہوتی ہیں۔بچوں کو نمونیہ سے بچانے کے لیے

بقیہ :—— گاہے گاہے باز خواں...

اپنے منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچاسکتی۔

رمضان المبارک کا مقدس مہینہ ہمارے سروں پر سایہ فگن ہے۔اس مبارک مہینہ میں ہر مسلمان دینی وفلاحی کاموں کے لیے کم یا زیادہ حسب وسعت خرچ کرتا ہی ہے۔اس لیے ارکان مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند کی یہ اپیل بروقت اور قابلِ توجہ ہے کہ آپ جمعیۃ علماء ہند کو اس کے منصوبوں کی تکمیل کے لیے اپنے بھرپور تعاون سے نوازیں۔ہمیں امید ہے کہ آپ امت کے ان برگزیدہ بندوں کی آواز پر اپنی توجہ مبذول فرمائیں گے۔ یاد رکھیے ملی کاموں کے لیے خرچ کرنا خود اپنی بقاء وتحفظ کے لیے خرچ کرنا ہے۔پھر جمعیۃ علماء ہند اور اس کے اکابر کا تو وظیفۂ حیات ہی مسلمانانِ ہند کی فلاح و بہبود، اسلام اور شعائر کا تحفظ اور ملت اسلامیہ کی معاشی واقتصادی ترقی ہے۔ایسے حالات میں یہ کہنا کوئی مبالغہ آرائی نہ ہوگی کہ اگر آپ نے اپنی پاک کمائی کا ایک حصہ ملّت کے فلاحی کاموں پر خرچ نہ کیا تو شاید آپ تخلیق کائنات کے مفہوم سے ناآشنا ہی رہے ہیں:

گو نالہ نارسا ہو نہ ہو آہ میں اثر — میں نے تو درگزر نہ کی جو مجھ سے ہوسکا

دنیا کا عظیم ترین
سکندر اعظم بھارت میں طاقت کا کیپسول
نیا بھروسہ ایک ہی کیپسول سے زبردست طاقت و جسمانی کمزوری دور کریں
میڈیکل اسٹور سے خریدیں یا فون کریں:
09212358677, 09015270020

بقیہ — فرانس - جہاں فوج میں.....

ہے۔انھیں کوئی متبادل کھانا نہیں دیا جاتا جس کی وجہ سے مسلمانوں میں تلخی اور علیحدگی کے جذبات پیدا ہونا شروع ہوگئے یہاں تک کہ کئی مرتبہ لڑائی تک کے مواقع بھی پیدا ہوگئے۔

۱۸۸۰ء سے کیتھولک، پروٹسٹنٹ اور یہودی علماء فرنچ فوج میں اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں مگر ایک صدی بعد تک بھی فوج میں کوئی مسلمان امام نہیں تھا جو فرنٹ لائن مسلمان فوجیوں کی امامت کرسکے۔ اس کے لیے انھیں کیتھولک پادری سے رابطہ کرنا پڑتا تھا۔ ڈیفنس منسٹری نے ۱۹۹۰ء میں ایک رپورٹ جاری کی تھی جس میں اس امر کی نشاندہی کی گئی تھی کہ اگر فوج میں شامل مسلمان فوجیوں کے ساتھ منصفانہ سلوک نہ کیا گیا تو ایک داخلی تقسیم پیدا ہونے کا خدشہ ہے۔جن خدشات کو مسٹر سیٹول نے اسلام کے بارے میں شکوک و شبہات کا نام دیا ہے، ان کے باوجود ۲۰۰۵ء میں فرنچ فوج میں مسلمان اماموں کی بھرتی شروع ہوگئی تھی اور یہ وہی وقت تھا جب فرانسیسی سماج اس کے بالکل برعکس سمت میں سفر کرچکا تھا۔مسلمان طالبات کے لیے اسکول میں پردہ ممنوع قرار دے دیا گیا۔اس سے باقی مذاہب کے پیروکاروں کے مقابلے میں مسلمانوں کا معاشرے میں ضم ہونے کا عمل شروع ہوگیا۔۲۰۱۹ء میں کل ۳۶ر امام فوج میں فرائض سرانجام دے رہے تھے جو تمام مذہبی علماء کا ۱۷ فیصد بنتے ہیں۔فوج میں ۱۲۵ کیتھولک پادری، ۳۴ پروٹسٹنٹ پادری اور ۱۴ یہودی ربی ہیں۔ جمعہ کی نماز میں شامل ہونے والے تمام فوجی جن کی عمریں بیس اور چالیس سال کے درمیان ہوتی ہیں تارکین وطن کے بچے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے والدین یا دادا، دادی کی زبانوں سے نماز کے بارے میں سنتے سنتے جوان ہوئے ہیں جو مساجد کی باقاعدہ تعمیر سے پہلے عارضی عبادت گاہوں میں نماز پڑھا کرتے تھے۔کئی فوجیوں کی مائیں یا دیگر خواتین رشتے دار پردہ کرنے کی وجہ سے آج بھی شک کی نظروں سے دیکھی جاتی ہیں۔۴۱ سالہ سارجنٹ محمد آج سے بیس سال پہلے یعنی پہلے امام کی بھرتی سے بھی دوسال پہلے فوج میں بھرتی ہوئے تھے۔انھیں اچھی طرح یاد ہے کہ امام کی بھرتی کے بعد ان کے لیے فوج میں اپنی مذہبی عبادات کی ادائیگی میں کس قدر آسانی پیدا ہوگئی تھی۔شروع میں مسلمان فوجیوں کو نماز کی ادائیگی کے لیے بڑے بڑے کمرے دے دیئے جاتے تھے مگر اب وہ مسجد میں جاکر نماز پڑھتے ہیں۔

سارجنٹ محمد نے بتایا کہ فوج میں اسے رمضان کے آخر پر عید الفطر منانے کے لیے باتنخواہ چھٹی مل جاتی ہے۔محمد نے بتایا کہ ان کے والد نے ۳۵ سال تک فوج میں خدمات انجام دی ہیں اور ہر سال عید کے موقع پر ان کی آٹھ گھنٹے کی تنخواہ کٹ جاتی تھی۔ان کے والد چالیس سال پہلے الجزائر سے فرانس آئے تھے اور وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ان کے بچے اس طرح فوج میں رہ کر اپنی نماز پڑھ سکیں گے۔ان کے بقول گزشتہ چالیس سال میں فوج میں حیران کن تبدیلیاں آئی ہیں، سارجنٹ محمد کا کہنا ہے کہ سب سے زیادہ تبدیلی یہ دیکھنے میں آئی ہے کہ فوج میں مسلمانوں کے انضمام کی وجہ سے اسلام کے بارے میں عزت اور احترام کے جذبات پروان چڑھے ہیں۔انھوں نے مزید بتایا کہ ایک فوجی کا اصل جذبہ اور کمائی ہی یہ ہوتی ہے کہ اس کی خدمات اور قربانیوں کا اعتراف کیا جائے اور جب آپ ہمارے مذہب کو احترام اور قبولیت دیتے ہیں تو یہ ایسے ہی ہے کہ آپ ہمارے فیول ٹینک کو بھر دیتے ہیں۔□□

بقیہ — قوموں کا عروج و زوال

ہے اسی اصول کی ہمہ گیری ہے کہ امم قدیمہ کے حالات ہم پڑھتے ہیں تو ہر قوم کا ایک دورِ عروج ہمارے سامنے آتا ہے اور دوسرا زمانہ انحطاط، ان دونوں میں مابہ الامتیاز اور فاصل اگر کوئی چیز ہوسکتی ہے تو وہ قیام عدل اور نفاذ جور وفا ہے، جب تک قومیں قیام عدل میں مساعی اور جدوجہد کرنے والی ہوتی ہیں تو فتح وکامرانی نصرت الٰہی وکامیابی ان کے قدم چومتی ہے، لیکن جب قیامِ عدل کے بجائے افشائے ظلم اور ترویج جور وستم ان کا شعار بن جاتا ہے تو پھر قانونِ فطرت حرکت میں آتا ہے اور بیک جنبش ان کو صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹا دیتا ہے اور پھر ان کا نام ونشان تک باقی نہیں رہتا۔

یہ انقلاب قدرتی ہے اور نہیں معلوم اس دنیا میں کتنے دور قوموں اور ملکوں پر اس کے گزر چکے ہیں۔ آج امید و کامیابی کے جس آفتاب سے غیروں کے ایوان اقبال روشن ہورہے ہیں، کبھی ہمارے سروں پر بھی چمک چکا ہے اور جس بہار کے موسم عیش ونشاط سے ہمارے حریف گزر رہے ہیں ایک زمانہ تھا کہ ہمارے باغ وچمن ہی میں اس کے جھونکے آیا کرتے تھے، اب کس سے کہیے کہ کہنے کا وقت ہی چلا گیا، گزر چکی ہے یہ فصل بہار ہم پر بھی۔ ہم ہمیشہ سے ایسے نہیں جیسے کہ اب نظر آرہے ہیں، زمانہ ہمیشہ ہم سے برگشتہ نہیں رہا۔ مدتوں امید کا ہم میں آشیانہ رہا ہے، بلکہ ہمارے سوا اس کا کہیں ٹھکانہ نہ تھا، اب دنیا میں ہمارے لیے ماتم وناامیدی دو ہی کام کرنے کیلئے باقی رہ گئے ہیں لیکن زیادہ دن نہیں گزرے کہ ہمارے زندگی کے لیے اس دنیا میں اور بھی بہت سے کام تھے اور ہم نے ان قوموں کو اچھی اور بری امید اور مایوسی، فتح اور شکست دونوں حالتوں میں ڈال کر آزمایا کہ شاید یہ بداعمالیوں سے توبہ کریں اور راہِ حق بھی اختیار کرلیں۔ (الاعراف: ۱۶۸) بے شک اس انقلابی حالت میں عبرت وموعظت کی بہت سی نشانیاں ہیں مگران میں اکثر لوگ ایمان وایقان کی دولت سے محروم تھے۔

جو شخص مایوس ہوکر اللہ کی نسبت ایسا ظن رکھتا ہو کہ اب دنیا وآخرت میں خدا اس کی مدد کرے ہی گا نہیں تو پھر اس کو چاہیے کہ اوپر کی طرف رسّی تانے اور اس کا پھندا بنا کر اپنے گلے میں پھانسی لگالے اور اس طرح زمین سے جہاں اب وہ اپنے لیے مایوسی سمجھتا ہے، اپنا تعلق قطع کرلے پھر دیکھے کہ آیا اس تدبیر سے اس کی وہ شکایت جس کی وجہ سے مایوی ہورہی ہو، وہ دور ہوگئی یا نہیں۔ اس طرح ہم نے قرآن کریم میں ہدایت وفلاح کی روشن دلیلیں اتاری ہیں کہ تم ان پر غور کرو اور اللہ جس کو چاہتا ہے اس کے ذریعے سے ہدایت بخشتا ہے۔ (الحج:۱۶)

میں سمجھتا ہوں کہ یہ سوالات مختلف شکلوں میں آج بہتوں کے سامنے ہوں گے، ممکن ہے کہ مایوسی کا غلبہ میرے اعتقاد کو مطلوب کرے، اس لیے ممکن ہے کہ میں تسلیم کرلوں کہ ہمارے مٹنے کا وقت آگیا ہے مگر میں نہیں سمجھتا کہ کوئی مسلم قلب جس میں ایک ذرّہ برابر نور اسلام باقی ہے ایک منٹ، ایک لمحہ، ایک دقیقے اور ایک عشیرہ دقیقے کے لیے بھی اس کو مان سکتا ہے۔

حیران ہوں کہ آج مسلمان مایوس ہورہے ہیں، حالانکہ میں تو کفر و مایوسی کے تصور سے کانپ جاتا ہوں کیونکہ یقین کرتا ہوں کہ مایوس ہونا اس خدائے ذوالجلال والاکرام کی شان رحمت وربوبیت کے لیے سب سے بڑا انسانی کفر اور اس کی جناب میں سب سے زیادہ نسل آدم کی شوخ چشمی ہے، تم جوان بربادیوں اور شکستوں کے بعد مایوس ہورہے ہو تو بتلاؤ کہ تم نے خدائے اسلام کی قوت ورحمت کو کس پیمانہ سے ناپا، وہ کونسا کاہن ابلیس ہے جس نے خدا کے خزانۂ رحمت کو دیکھ کر تمھیں بتلا دیا ہے کہ اب اس میں تمہارے لیے کچھ نہیں۔

قوموں کی زندگی کی ایک بہت بڑی علامت یہ ہے کہ ان کا دل امید کا دائمی آشیانہ ہوتا ہے خواہ ناکامی اور مصائب کا کتنا ہی ہجوم ہو مگر امید کا طائر مقدس ان کے گوشے سے نہیں اُڑتا، وہ دُنیا کو ایک کارگاہِ عمل سمجھتے ہیں اور امید کہتی ہے کہ یہاں جو کچھ ہے صرف تمہارے لیے ہے۔ اگر آج تم اس پر قابض نہیں تو غم نہیں کیونکہ عمل و جہد کے بعد کل کو وہ تمہارے ہی لیے ہونے والی ہے۔ مصیبتیں جس قدر آتی ہیں وہ ان کو صبر وتحمل کی ڈھال پر روکتے ہیں اور غم واندوہ دماغ کو معطل نہیں ہونے دیتے بلکہ مصیبتوں کو دور کرنے اور ان کی صفوں پر غالب آنے کی تدابیر پر غور کرتے ہیں، نامرادی ان کے دلوں کو مجروح کرتی ہے، مایوس نہیں کرتی اور غم کے لشکر سے ہزیمت اُٹھاتے ہیں، پر بھاگتے نہیں، گردشِ زمانہ شاہد ہے کہ ہر جماعت خسارہ میں گھری ہوئی ہے مگر وہی جو یہ چار کام انجام دیں، ایمان لائیں اور عمل صالح کریں، حق وصداقت کا اعلان کرتے رہیں اور صبر کی تلقین کریں۔□□

بقیہ — قرآن مجید پر عمل....

کہے۔ اس پر اس کی والدہ کا ردعمل کیا ہوگا۔ طلاق کے بعد وہ گھر میں کیسے رہ سکے گی؟ نوجوان نے خاتون کے والد سے کچھ مہلت مانگی کہ وہ سوچ بچار کرلے پھر جواب دے گا۔

خاتون نے تحریکی ساتھی سے یہ ساری صورتِ حال بیان کی تو اس نے خاتون کو اپنے گھر چلے جانے کا مشورہ دیا، اس کے شوہر سے بھی کہا وہ بیوی کو گھر لے آئے کیونکہ بہرحال یہی خاتون کا گھر ہے، خاتون کے دل میں جنگ برپا تھی کہ وہ کیسے ایک بار پھر سسرال جائے گی؟ ان کا ردّعمل کیا ہوگا؟ تحریکی ساتھی نے اس کو کثرت کے ساتھ ذکر الٰہی کرنے اور اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت ''ایاک نستعین'' پڑھنے کو کہا۔ بالآخر خاتون اپنے بچوں کو لے کر اپنے گھر چلی گئی۔

پاک ہے وہ ذات جس نے فرمار کھا ہے: ''تم نہیں جانتے شاید اس کے بعد اللہ (موافقت کی) کوئی صورت پیدا کردے۔'' جب بیوی اور شوہر باہر نکلے تو وہ اپنے ساتھ پیش آنے والے حالات پر گفتگو کررہے تھے۔ بیوی نے اپنے گھر سے نکل کر شریعت کے خلاف عمل پر معذرت کی، اس نے دراصل اس واقعے سے ایک سبق سیکھا اور قرآن کریم کی ایک آیت کے اوپر عمل اور اس کے حقیقی نفاذ کو ممکن بنایا، وہ ہزاروں درس قرآن بھی سنتی تو آیات کی ایسی تفہیم اسے حاصل نہ ہوسکتی جواب ہوچکی تھی۔

اس کے شوہر نے سوچنے کے لیے وقت مانگا مگر جب بیوی بچے اس کے پاس چلے گئے تو حالات نے اس کو عملی کیفیت میں لا کھڑا کیا، اس نے اپنے بچوں کو دیکھا، بیوی پر نگاہ پڑی کہ وہ خود کو تبدیل کرنا چاہتی ہے تو برف پگھلی اور میاں بیوی کے درمیان رحمت ومودت اُبھری، تحریکی ساتھی کے ساتھ آخری گفتگو میں خاتون نے بتایا کہ معاف کیجیے گا، میرے پاس وقت نہیں، میرے شوہر میرا انتظار کررہے ہیں، انھوں نے مجھے شام کے کھانے کی دعوت دی ہے، بچے کہاں ہیں؟ اس نے کہا۔ انھیں ان کی دادی کے پاس چھوڑ آئے ہیں، ہم اکیلے جارہے ہیں۔اس کی آواز فرحت ومسرت سے سرشار تھی، تحریکی ساتھی نے فون بند کیا اور وہ کہہ رہی تھی: ''اے رحمان و رحیم! وہ شخص کامیاب ہوگیا جس نے تیری آیات پر عمل کیا۔'' □□

مدرسوں کو بدنام کرنے کے لیے جھوٹی رپورٹ شائع کرنے پر جمعیۃ نے اخبار دینک جاگرن کو ہتک عزت کا نوٹس بھیجا

یہ خبر مدارس اسلامیہ کی خیر سگالی اور ساکھ کو نقصان پہنچانے کے برے ارادے کے ساتھ شائع کی گئی ہے، اخبار کو فوری طور سے معافی مانگنی چاہیے اور اس کی اشاعت پر روک لگانی چاہیے: مولانا محمود مدنی

نئی دہلی ۱۹؍جولائی: جمعیۃ علماء ہند کے قومی صدر مولانا محمود مدنی کی طرف سے ان کے وکیل ایم آر شمشاد نے ہندی اخبار 'دینک جاگرن' کو قانونی نوٹس جاری کیا ہے، اس کی وجہ ۷؍جولائی ۲۰۲۱ء کو اخبار کے صفحہ نمبر ۷ پر مدارس اسلامیہ سے متعلق جھوٹی اور گمراہ کن خبر کی اشاعت ہے۔ اس خبر میں انتہائی غلط اور بے بنیاد باتوں کو مدرسوں سے جوڑا گیا ہے اور آزاد مدرسوں کو غیر قانونی عمل کا گہوارہ بنا کر پیش کیا گیا ہے جس سے ملک کے مسلمانوں کی شدید دل آزاری ہوئی ہے اور ملک میں لاکھوں بچوں کو مفت بنیادی ابتدائی تعلیم فراہم کرنے والے دینی اداروں کے سلسلے میں عوام میں غلط تاثر قائم ہوا ہے۔ حالانکہ ملک کے آئین کی دفعہ ۲۹-۳۰ میں تمام اقلیتوں کو اپنی پسند کے مطابق تعلیمی ادارہ قائم کرنے اور اسے چلانے، اسی طرح اپنی تہذیب، زبان اور رسم الخط کے تحفظ کا بنیادی حق ہے۔ جہاں تک آر ٹی ای ایکٹ ۲۰۰۹ء کا معاملہ ہے تو اس سلسلے میں سپریم کورٹ کا فیصلہ (حکومت بنام پرامتی ایجوکیشنل اینڈ کلچرل ٹرسٹ ۲۰۱۳) موجود ہے، جس میں اقلیتی اداروں بشمول مدارس اسلامیہ کو اس قانون کے دائرے مستثنیٰ رکھا گیا ہے اور اس سلسلے میں بنیادی دفعہ 30 کا حوالہ دیا گیا ہے۔

نوٹس میں مزید کہا گیا ہے کہ مذکورہ ہندی اخبار کی خبر میں یہ ذیلی سرخی بھی لگائی گئی ہے ''نہیں لینا چاہتا مانیتا''، جس میں کہا گیا ہے کہ ''زیادہ تر غیر مانیتا پراپت مدرسے، مانیتا کے لیے آویدن نہیں کرنا چاہتے ہیں، کیونکہ مانیتا ملنے پر انھیں وبھاگ سے نیموں (اصولوں) کا پالن کرنا ہوتا ہے، چندے کا حساب دینا ہوتا ہے'' یہ الزام انتہائی غلط اور منفی تاثر پیدا کرنے والا ہے جو دینک جاگرن اخبار اور اس کے رپورٹر حسین شاہ نے خود سے وضع کیا ہے، جبکہ حقائق کے اس کے خلاف ہیں اور اس کے پس پشت اخبار کی بدنیتی ظاہر ہوتی ہے۔

نوٹس میں مزید کہا گیا ہے کہ اسی خبر کے طویل عنوان کے نیچے دانستہ طور سے 'لو جہاد' کے مفروضہ کی خبر بھی شائع کی گئی ہے جس کا مقصد قاری کو کنفیوز کرنا ہے اور یہ تاثر پیدا کرنا ہے کہ مدرسوں میں اس کی طرح غیر قانونی سرگرمی ہوتی ہے۔

نوٹس میں مزید کہا گیا ہے کہ مذکورہ بالا خبر کی اشاعت سے مدرسوں کو ناقابل تلافی نقصان اور اس کی ساکھ کو صدمہ پہنچا ہے۔ اس کے علاوہ مدرسوں سے عمر گوتم کے قضیہ کو جوڑا گیا ہے اور عمر گوتم کو جرم کا محور مان کر مدرسوں کو اس کا مرکز بتایا جا رہا ہے، جبکہ عمر گوتم کا معاملہ عدالت میں زیر سماعت ہے اور اس پر کوئی فیصلہ نہیں ہوا ہے۔ اس لیے ہم دینک جاگرن سے غیر مشروط معافی مانگنے اور اس گمراہ کن مضمون کی اشاعت بند کرنے اور اپنی ویب سائٹ سے حذف کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں، بصورت دیگر جمعیۃ علماء ہند عدالتی چارہ جوئی کے لیے مجبور ہوگی۔ اس سلسلے میں آج نئی دہلی میں جمعیۃ علماء ہند کے قانونی معاملوں کے نگراں ایڈوکیٹ و مولانا نیاز احمد فاروقی نے بتایا کہ اس خبر سے یہ تاثر دیا گیا ہے کہ ملک میں سارے آزاد مدرسے غیر قانونی طور سے چلتے ہیں، اس لیے سرکار ان کے خلاف قانونی کارروائی کرے گی، حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ یہ مدارس ملک کے آئین کی بنیادی دفعہ ۳۰ کے مطابق چلتے ہیں اور ان کا وجود عین آئینی اور دستوری حق کا تحفظ ہے۔ جمعیۃ علماء ہند کے مقصد اصلی میں مدارس اسلامیہ کا تحفظ شامل ہے، اس لیے ایسی خبروں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جس سبھی مدرسوں کی شاخ متاثر ہوتی ہے۔

مسلمانوں کو تعلیم سے دُور رکھنے کیلئے سازشیں کی جارہی ہیں: مولانا عابد قاسمی

جمعیۃ علماء دہلی مشرقی ضلع کے زیر اہتمام مولانا عابد قاسمی کو دوبارہ دہلی کا صدر بنائے جانے پر استقبالیہ تقریب کا اہتمام

نئی دہلی، ۲۶؍جولائی: جمعیۃ علماء دہلی مشرقی ضلع کے زیر اہتمام مولانا عابد قاسمی کو دوبارہ صدر بنائے جانے پر ایک استقبالیہ تقریب کا انعقاد کیا گیا۔ آرام پارک کے مدرسہ اسلامیہ عربیہ اظہار العلوم میں منعقدہ اس تقریب میں دہلی اقلیتی کمیشن کے چیئرمین ذاکر خان نے مہمانِ خصوصی کے طور پر شرکت کی۔ اس موقع پر بات کرتے ہوئے مولانا عابد قاسمی نے کہا کہ جمعیۃ علماء ہند ۱۵۰ سال پرانی تنظیم ہے جو ملک خصوصاً مسلمانوں کی حفاظت اور ان کے فروغ کے لیے مسلسل کام کرتی چلی آرہی ہے۔ انھوں نے کہا کہ انتظامیہ اور سماج کے ذریعہ ستائے ہوئے لوگوں کی قانونی طور پر مدد کرنا اس کے اہم امور میں شامل ہے۔ یہ سیاست نہیں کرتی ہے لیکن سیاست میں مذہبی تفریق پر پوری نظر رکھے ہوئے ہے۔ انھوں نے شمال مشرقی ضلع دہلی میں گزشتہ برس ہوئے فسادات کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ جیل میں بند ۳۵۰ سے زیادہ لوگوں کی ضمانت جمعیۃ کے ذریعہ کرائی جاچکی ہے۔ انھوں نے کہا کہ ایک منظم سازش کے تحت مسلمانوں کو تعلیم سے دور رکھا جا رہا ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہمیں چاہیے کہ مل جل کر تعلیمی ادارے قائم کریں اور تعلیم کو عام کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ کام کریں، ساتھ ہی اپنے اسپتال بھی قائم کیے جائیں جس سے بہت سے مسائل کو دور کیا جا سکتا ہے۔ اس موقع پر دہلی اقلیتی کمیشن کے چیئرمین ذاکر خان نے کہا کہ مسلمانوں پر جب بھی کوئی مشکل وقت آیا تو اس میں جمعیۃ علماء ہند نے سب سے پہلے آگے آکر مدد کی ہے۔ مسجد، مدرسہ، دکان، مکان یا کسی بھی طرح کے نقصان کی بھرپائی جمعیۃ نے کی ہے اور لوگوں کا ساتھ دیا ہے۔ اس کے علاوہ ماضی میں ملک کی آزادی کے لیے کی جانے والی جدوجہد میں بھی جمعیۃ علماء کا بہت بڑا رول رہا ہے۔ ذاکر خان نے دہلی اقلیتی کمیشن کے تعلق سے بات کرتے ہوئے کہا کہ اقلیتوں کے حقوق کے لیے لڑائی لڑنے کا کام کمیشن کرتا ہے۔ سرکاری اسکیموں کو عوام تک پہنچانے اور بیداری لانے کا کام بھی دہلی اقلیتی کمیشن انجام دیتا ہے۔ مشرقی ضلع دہلی کے جنرل سیکریٹری ڈاکٹر مشتاق احمد انصاری نے کہا کہ جمعیۃ کا کام عوامی تعاون سے چلتا ہے اس لیے ہماری قوم کے ذمہ داران کو چاہیے کہ آگے آکر زیادہ سے زیادہ جمعیۃ کی مدد کریں تاکہ وہ عوامی فلاح و بہبود میں اور بھی زیادہ بہتر طریقہ سے کام کر سکے۔ یہاں موجود حافظ سلیم احمد نے کہا کہ جمعیۃ کے کام سے زیادہ تر لوگ واقف ہیں اور اس کے ذریعہ سماج پر خرچ کیا گیا پیسہ بھی کسی عبادت سے کم نہیں ہے۔ حاجی قمر الدین نے کہا کہ اس وقت مسلم سماج مختلف مسلکوں میں تقسیم ہے لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم سب متحد ہو کر ایک دوسرے کے لیے کام کریں۔ عصری تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم کا بھی اہتمام کریں۔ محمد اکرام ایڈوکیٹ اور گلفام صلاح الدین نے متحد ہونے پر زور دیا۔ انھوں نے کہا کہ ذاتیات کو ترک کرتے ہوئے ایک دوسرے کی مدد کے لیے آگے آنے کی ضرورت ہے۔ اس موقع پر حاجی ریاض الدین انصاری، محمد الیاس سیفی، حاجی شاہنواز، گلفام، مولانا شاہد، خورشید انصاری، ڈاکٹر انظر الحق، انعام چودھری، محمد اشرف وغیرہ بھی موجود تھے۔

خانقاہ رحمانی مونگیر کے پرانے مخلص ماسٹر غلام مرتضیٰ کا انتقال

مونگیر ۲۷؍جولائی ۲۰۲۱ء: خانقاہ رحمانی مونگیر کے مخلص اور پرانے ارادتمند جناب ماسٹر غلام مرتضیٰ صاحب اب اس دنیا میں نہیں رہے، وہ بیر بھوم بنگال کے رہنے والے تھے، حضرت امیر شریعت رابع مولانا منت اللہ صاحب رحمانی اور امیر شریعت سابع مفکر اسلام حضرت مولانا محمد ولی صاحب رحمانی کے وہ مرید تھے، علاقہ میں خانقاہ رحمانی کے پیغام کو بڑے مؤثر طریقہ سے مضبوطی سے عام کرتے تھے، سلسلہ کی کتابوں کا بنگلہ میں ترجمہ کیا، اور کرایا، اس کی اشاعت بھی کرائی، خانقاہ رحمانی کے بڑے معتقد اور ترجمان تھے۔ خانقاہ رحمانی مونگیر میں ان کے لیے اہتمام کے ساتھ دعائے مغفرت کی گئی۔

یوپی الیکشن کے سلسلہ میں صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کا وضاحتی بیان

نئی دہلی: ۲۰؍جولائی ۲۰۲۱ء: آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب نے اپنے وضاحتی بیان میں فرمایا کہ فروری ۲۰۲۲ء میں اتر پردیش میں الیکشن ہے، اس کی گہما گہمی ابھی سے شروع ہوگئی ہے، کچھ لوگ مسلم پرسنل لا بورڈ اور خاص کر بحیثیت صدر مجھ سے یہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ کسی ایک پارٹی کی حمایت میں اپیل جاری کی جائے، یہ لوگ نہ تو مسلم پرسنل لا بورڈ کے دستور سے واقف ہیں نہ اس کے دائرہ کار سے، نہ اس کے اغراض و مقاصد سے اور نہ اس کی پچھلی تاریخ سے، بورڈ کے دستور کی دفعہ نمبر 4 میں واضح طور پر لکھا ہے کہ ''مسلم پرسنل لا بورڈ کا بحیثیت ادارہ، سیاست سے کوئی سروکار نہیں ہوگا۔''

صدر محترم نے مزید فرمایا کہ مسلم پرسنل لا بورڈ کی طرف منسوب کسی سیاسی اعلان یا کسی سیاسی پارٹی کی حمایت کی اپیل کو معتبر نہ سمجھا جائے، خود میرا اور ندوۃ العلماء کا ہمیشہ یہی موقف رہا ہے، یہ الگ بات ہے کہ الیکشن کے موقع پر افواہوں کا بازار گرم ہو جاتا ہے اور جھوٹے اور فرضی بیانات سے لوگوں کو گمراہ کیا جاتا ہے، ایسے لوگوں سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے، ان کو پہچانیے اور دھوکہ نہ کھائیے۔ ساتھ ہی آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ووٹ دینا آپ کا جمہوری حق ہے کس کو چننا ہے یہ فیصلہ خود آپ کو کرنا ہے، سوچ سمجھ کر اپنے اس حق کا استعمال کیجیے، ملک و ملت کا مفاد پیش نظر رکھیے۔ صدر مسلم پرسنل لا بورڈ نے کرونا گائیڈ لائن کے تعلق سے فرمایا کہ ہمارا ملک کرونا کے بحران سے دوچار ہے، عید قرباں کے موقع پر ضروری احتیاط لازمی ہے، سرکار کی طرف سے جو ہدایات دی گئی ہیں ان کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

مراسلات

ادارہ کا مراسلہ نگار کی رائے سے اتفاق ضروری نہیں

قرآن سائنس اور مورس بوکائلے

مکرمی! موریس بوکائلے (BucailleMaurice) کی پیدائش ۱۹۲۰ء میں ہوئی تھی، وہ ایک فرانسیسی طبیب تھے، جو جامعہ پیرس کے ہسپتال میں رئیس جراحی کے طور پر کام کرتے تھے۔ اور فرانس کی میڈیکل ایسوسی ایشن کے چیف تھے۔ ساتھ ہی ایک بہترین مصنف بھی تھے، کئی ساری کتابیں تصنیف کیں، ان کا انتقال ۱۹۹۸ء میں پیرس میں ہوا، ان کی سب سے زیادہ شہرت کی وجہ ان کی کتاب 'بائبل قرآن اور سائنس' ہے، جس میں انہوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ قرآن کی کوئی عبارت سائنسی نقطۂ نظر کے خلاف نہیں ہے، جبکہ بائبل میں بہت سی عبارتیں جدید سائنسی حقائق کی نفی کرتی ہیں۔ ان کی یہ فرانسیسی کتاب بہت مقبول ہوئی اور کئی زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے۔ اسلامی دنیا میں بھی یہ کتاب بہت مقبول ہوئی مگر مغرب میں زیادہ تر لوگوں کے لیے یہ بغض کی وجہ بن گئی اور انھوں نے اسے 'بیوکلیزم' کا نام دیا۔ بتایا جاتا ہے کہ آپ ۱۹۷۳ء میں سعودی عرب کے بادشاہ شاہ فیصل کے ذاتی معالج مقرر ہوئے۔ ۱۹۷۳ء ہی کا واقعہ ہے کہ آپ شاہ فیصل کا علاج کرنے کے لئے سعودی عرب گئے۔ شاہ فیصل کسی کام میں مشغول تھے۔ اس لئے ان سے تھوڑی دیر انتظار کرنے کے لئے کہا گیا۔ آپ لکھتے ہیں کہ جس کمرہ میں میں ٹھہرا ہوا تھا۔ اس کمرہ میں ایک قرآن رکھا ہوا تھا۔ چونکہ میں خالی تھا اس لئے میں نے اس قرآن کو اٹھا کر پڑھنا شروع کر دیا، جب میں اس قرآن کو پڑھ رہا تھا تو مجھے لگا کہ اس کے اندر بہت ساری آیتیں میڈیکل سائنس سے متعلق ہیں، میں نے ان ساری آیتوں کو نوٹ کر لیا۔ اور جب فرانس واپس آیا تو ان ساری آیتوں پر تحقیق کی تو ان میں ایک آیت بھی ایسی نہیں تھی جو سائنس سے ٹکراتی ہو، میں نے سوچا کہ جن چیزوں کو میڈیکل سائنس نے آج دریافت کیا ہے، اس کتاب کے اندر آج سے چودہ سو سال پہلے کس نے ان باتوں کو لکھ دیا۔ بس یہ وہ واقعہ تھا جو میرے اسلام لانے کا سبب بنا۔ اس کے بعد انہوں نے بائبل کے اندر سے بھی وہ آیتیں نکالیں جو سائنس سے متعلق تھیں اور ان پر بھی تحقیق کی، تو اس میں ایک آیت بھی سائنس کے لحاظ سے درست نہیں تھی۔ اس کے بعد اسی کو لے کر انہوں نے ایک کتاب لکھی جس کا نام ہے 'بائبل قرآن اور سائنس'۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو قرآن مورس بوکائلے کی زندگی کو بدل سکتا ہے، ان کو سیدھا اور سچا راستہ دکھا سکتا ہے۔ اور ان کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کر سکتا ہے۔ کیا وہ قرآن ایک مسلمان کی زندگی کو نہیں بدل سکتا؟ اس کو سیدھا راستہ نہیں دکھا سکتا؟ ہم میں اور مورس بوکائلے میں فرق یہ ہے کہ ہم قرآن کریم کو پہلی بات تو پڑھتے ہی نہیں اور اگر پڑھتے بھی ہیں تو سمجھے بغیر صرف تلاوت اور ثواب کی نیت سے پڑھتے ہیں اس لئے ہمیں قرآن سے کچھ حاصل نہیں ہو پاتا، قرآن پڑھنے کے بعد بھی ہماری زندگی میں کوئی بدلاؤ نہیں آتا جبکہ مورس بوکائلے نے اس قرآن کو پڑھا تو سمجھ کر پڑھا اور اس کی ایک ایک آیت پر خوب غور کیا جس کے نتیجے میں ان کے سامنے ہدایت کے راستے کھل گئے۔ اگر ہم بھی اس قرآن سے ہدایت حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اپنی دنیوی و اخروی زندگی سنوارنا چاہتے ہیں تو قرآن کریم کو سمجھ کر پڑھیں، ان شاء اللہ ہمارے لئے بھی ہدایت کے سامان مہیا ہوں گے، یہ کتاب ان لوگوں کے لیے ہدایت ہے جو غور و فکر اور تدبر کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ دنیا کی اکثر زبانوں میں قرآن کریم کے ترجمے اور تفسیریں لکھی جا چکی ہیں، اور بڑے پیمانے پر ان کی نشر و اشاعت بھی ہو رہی ہے، اس لئے نابلد ہونے کا سوال اب بے معنی ہے، اگر ہم قرآن کریم کو اس کے معنی اور مفہوم کے ساتھ غور و فکر اور تدبر کی نظر سے پڑھیں گے تو ہمارے سامنے بھی علوم و معارف کے ذخیرے کھلیں گے، جن کی روشنی میں ہم ان شاء اللہ راہ یاب ہو جائیں گے۔

مفتی محمد قاسم اوجھاری

عوامی نمائندوں کے ہاتھوں شہر کی بدحالی

مکرمی! آزادی کے نو دس سال بعد بھوپال کو جب مدھیہ پردیش کی راجدھانی بنایا گیا تھا تو یہاں کے شہریوں کو یہ امید تھی کہ اس شہر کی دن دونی رات چوگنی ترقی ہوگی، گذشتہ سات دہائیوں میں اس شہر کا پھیلاؤ کافی ہوا ہے، مقامی بلدیاتی ادارے میونسپل بورڈ کو کارپوریشن کا درجہ حاصل ہو گیا ہے لیکن شہر کے غیر معمولی پھیلاؤ اور میونسپل اختیارات میں اضافہ کے باوجود یہ شہر دن بدن مسائل کا جنگل بنتا جا رہا ہے، جب میونسپل پرایڈمنسٹریٹر کا راج تھا اس وقت بھی اور جب اس کا انتظام و انصرام عوامی نمائندوں کے ہاتھوں میں آ گیا اس وقت بھی، اس شہر کے لیل و نہار میں کوئی خاص تبدیلی نظر نہیں آئی بلکہ دن بدن عوام کی دقتیں بڑھتی جا رہی ہیں۔ گندگی کے انبار، غلاظت کے ڈھیر، کھٹملوں کی افزائش، چوہوں کی پرورش، مکھیوں کی بھنکار اور مچھروں کی یلغار ہر طرف دکھائی دیتی ہے خصوصیت سے پرانے شہر کی گنجان آبادی اور غریبوں کی بستیاں تو آج ہر طرح کے مسائل و مشکلات کی آماجگاہ بن گئی ہیں۔ پندرہ یوم کی بارش کے جھلوں نے مزید ستم یہ ڈھایا کہ گلی کوچے ہی نہیں عام سڑکوں کی حالت بھی خستہ ہوگئی ہے، حالانکہ ان میں سے بیشتر زیادہ پرانی نہیں پچھلے سال ہی انہیں بنایا گیا ہے اور ان کی تعمیر میں نہ جانے کون سا مٹیریل استعمال کیا گیا کہ پانی کے چند ریلوں کی بھی تاب نہ لا سکا۔ یہی حال شہر کے اکثر نالوں اور نالیوں کا بھی ہے جو ٹوٹی پھوٹی ہونے کے ساتھ ساتھ گندگی سے لبریز ہونے کی وجہ سے ذرا میں ابل پڑتی ہیں اور مصروف سڑکوں کو بھی چھوٹے موٹے تالاب کا نمونہ بنا دیتی ہیں۔ اسی طرح گندے نالوں کے ابلنے والے پانی سے اردگرد کے مکان، جھگی، جھونپڑیاں اور نشیبی علاقوں میں آباد عوام پر جو گزرتی ہے آئے دن اس کا حال مع تصاویر کے اخبارات کی زینت بنتا رہتا ہے۔ زرِ کثیر صرف کر کے زیر زمین نالوں کا جو نظام شہر کے گندے پانی کے نکاس کے لئے تعمیر کیا گیا ہے وہ بھی اکثر و بیشتر فیل ہو جاتا ہے اور عام شاہراہوں پر گندگی پھیلنے سے لوگوں کی آمد و رفت تک مسدود ہو جاتی ہے، محلوں کی گلیوں یا سڑکوں پر یہ سب ہوتا رہے تو پھر گوارہ ہے لیکن جب پرانے شہر کی دو چار مصروف ترین شاہراہوں پر بارش کے پانی کے ساتھ نالوں کی غلاظت آجاتی ہے اور آنے جانے والوں کی دو پہیہ گاڑیاں ان میں پھنس جاتی ہیں تو میونسپل کارپوریشن اور اس کے وسیلہ سے ذمہ داروں کی شان میں کیا کچھ کہنے کو دل نہیں چاہتا۔ بلدیاتی ادارے اور اس کے عملہ کے مجرمانہ تغافل سے آج شہر کے بعض حصوں کی حالت اتنی خراب ہوگئی ہے کہ یہ انسانوں کے رہنے کے لائق نہیں رہے ہیں، قصبوں اور مضافات کی وہ حالت نہیں ہے جو شہر کی بعض ذیلی بستیوں کی نظر آتی ہے اور اسی کا نتیجہ ہے کہ وہاں کے لوگ مختلف بیماریوں کے شکار ہیں۔ نزلہ، زکام، ملیریا، موتی جھرا، پیلیا، اور ہاضمہ کی خرابی جیسے امراض نے ہر گھر میں جگہ بنالی ہے۔ دوسری طرف ہاؤس ٹیکس، واٹر ٹیکس، روشنی ٹیکس، ماحولیات ٹیکس اور نہ جانے کون کون سے ٹیکس شہریوں پر عائد ہیں لیکن شہری مسائل کو حل کرنے پر میونسپل انتظامیہ کی توجہ نہیں ہے۔

عارف عزیز، بھوپال

ALJAMIAT (URDU WEEKLY) NEW DELHI
Publishing Date: 23 July 2021
Postal Registration No. DL(C)-01/1267/2021-23
Posting Days MON. TUE. at N.D.P.S.O. New Delhi
R.N.I. 38985/82

منظر پس منظر

م-ع-ج

• دُنیا میں سالانہ دس ملین بچوں کی ہلاکت • مسلمانوں کے بارے میں غلط اندازے

• برطانوی معاشرہ میں ناجائز بچوں کی بھتات

دُنیا میں سالانہ دس ملین بچوں کی ہلاکت

عالمی ادارہ صحت کی ایک رپورٹ کے مطابق دنیا میں ہر سال پانچ سال سے کم عمر کے تقریباً ایک کروڑ بچے ہلاک ہوجاتے ہیں۔ یعنی ایک گھنٹے میں ایک ہزار سے زیادہ بچے موت کا شکار ہوجاتے ہیں تاہم عالمی ادارہ صحت کے مطابق اگر آسان احتیاطی تدابیر اختیار کی جائیں تو ان کم عمر بچوں کی ہلاکت کو کم کیا جاسکتا ہے۔ رپورٹ کے مطابق نوزائیدہ بچوں کی زندگی کا پہلا مہینہ سب سے نازک ہوتا ہے۔ کمزوری اور مدافعت کم ہونے کے باعث ان کے مختلف امراض میں مبتلا ہوکر ہلاک ہونے کا خطرہ سب سے زیادہ ہوتا ہے۔ نومولود بچوں کی زیادہ تر ہلاکتوں کا سبب قبل از وقت پیدائش، پیدائش کے دوران پیدا ہونے والی پیچیدگیاں اور انفیکشن ہوتا ہے تاہم عالمی ادارہ

دنیا بھر میں پانچ سال سے کم عمر کے تقریباً دو کروڑ بچے غذائی قلّت کا شکار ہیں جس کی وجہ سے ان کی قوتِ مدافعت میں کمی آجاتی ہے اور وہ آسانی سے مہلک بیماریوں کا شکار ہوجاتے ہیں حالانکہ عالمی ادارہ صحت بچوں کی صحت بہتر بنانے اور انھیں مہلک بیماریوں سے بچانے کے لیے عالمی سطح پر امداد فراہم کررہا ہے۔

صحت ڈبلیو ایچ او کی تجاویز کے مطابق اگر چند مخصوص احتیاطی تدابیر کو اختیار کیا جائے تو ان معصوموں کی زندگیاں بچائی جاسکتی ہیں۔ مثلاً دورانِ حمل مناسب دیکھ بھال، ماہر طبّی عملہ کے ذریعہ بچے کی پیدائش، بچے کی پیدائش کے فوراً بعد کی احتیاطی تدابیر جس میں بچے کے نظامِ تنفس کی بحالی، اسے مناسب حرارت پہنچانا، انفیکشن سے بچانے کے اقدامات اور ماں کا دودھ پلانا شامل ہے۔ علاوہ ازیں ایک ماہ سے پانچ سال کی عمر کے دوران بچوں کی زیادہ تر اموات نمونیہ، اسہال، ملیریا، خسرہ اور ایچ آئی وی سے ہوتی ہیں۔ ماہرین کے مطابق غذائی کمی بھی بچوں میں ایک تہائی سے زیادہ اموات کا سبب بنتی ہیں۔

ان بیماریوں میں نمونیہ سرفہرست ہے جس سے سب سے زیادہ ہلاکتیں ہوتی ہیں۔ اعداد وشمار کے مطابق صرف پندرہ ممالک میں پانچ سال سے کم عمر کے بچوں کی تین چوتھائی ہلاکتیں نمونیہ سے ہوتی ہیں۔ بچوں کو نمونیہ سے بچانے کے لیے انھیں صحت بخش غذا دینا، ان کے کمرے کی ہوا کو آلودہ ہونے سے بچانا ضروری ہے، ساتھ ہی انھیں حفاظتی ٹیکے لگوانا، چھوٹے بچوں کو ماں کا دودھ پلانا اور بیماری کی صورت میں اینٹی بائیوٹک ادویات اور آکسیجن کا استعمال انھیں خطرہ سے محفوظ رکھتا ہے۔ ترقی پذیر ملکوں میں بچوں کی ہلاکت اور انھیں کمزوری میں مبتلا کرنے کا سب سے اہم سبب اسہال ہے جبکہ ماں کا دودھ بچوں کو اسہال سے محفوظ رکھنے میں مدد دیتا ہے۔ بیماری کی صورت میں بچوں کو او آر ایس اور زنک سپلیمنٹ دینا فائدہ مند ہے۔ رپورٹ کے مطابق افریقہ میں ہر تیس سیکنڈ میں ایک بچہ ملیریا سے ہلاک ہوجاتا ہے مچھر دانی کا استعمال بچوں کو ملیریا سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔ عالمی ادارہ صحت کی رپورٹ کے مطابق ایچ آئی وی وائرس میں مبتلا ۹۰ فیصد سے زیادہ بچوں کو یہ وائرس اپنی ماں سے منتقل ہوتا ہے تاہم اس خطرے کو زچگی کے دوران احتیاط اور دیگر حفاظتی طریقوں کے ذریعہ کم کیا جاسکتا ہے۔

رپورٹ میں مزید کہا گیا ہے کہ دنیا بھر میں پانچ سال سے کم عمر کے تقریباً دو کروڑ بچے غذائی قلّت کا شکار ہیں جس کی وجہ سے ان کی قوتِ مدافعت میں کمی آجاتی ہے اور وہ آسانی سے مہلک بیماریوں کا شکار ہوجاتے ہیں حالانکہ عالمی ادارہ صحت بچوں کی صحت بہتر بنانے اور انھیں مہلک بیماریوں سے بچانے کے لیے عالمی سطح پر امداد فراہم کررہا ہے۔ جس میں دورانِ حمل ماں کی صحت کی دیکھ بھال، بچی کی پیدائش اور پانچ سال کی عمر تک اسے بیماریوں سے بچانے کے اقدامات شامل ہیں۔ پانچ سال سے کم عمر بچوں کی ۹۰ فیصد اموات جنوبی ایشیا کے ۴۲ ممالک اور سب سے زیادہ افریقہ میں واقع ہوتی ہیں جبکہ حیرت انگیز طور پر ان اموات کو سادہ اور آسان طریقہ سے کم کیا جاسکتا ہے، صرف ہندستان میں مذکورہ بالا طریقوں اور شعوری بیداری مہم کے ذریعہ اس طرح کی سالانہ ایک ملین اموات کو روکا جاسکتا ہے۔ یونیسیف کی رپورٹ کے مطابق ہندستان میں پانچ سال سے کم عمر بچوں کی تعداد تقریباً ۲۴۰ ملین ہے جبکہ عالمی سطح پر ہونے والی بچوں کی اموات میں سے ۲۰ فیصد ہندستان میں پیش آتی ہیں۔

مسلمانوں کے بارے میں غلط اندازے

ہندستان کے مسلمانوں کی یہ شکایت بیجا نہیں کہ انھیں آزادی کے بعد سے آج تک ہر سطح پر نظر انداز کیا جاتا رہا ہے اور اسی کا نتیجہ ہے کہ وہ دن بدن پسماندہ ہوکر اچھوتوں سے بھی بدتر ہوتے جارہے ہیں۔ آج ان کی اکثریت گندی بستیوں میں آباد ہے، وہ بڑی تعداد میں بیروزگاری کا شکار ہیں۔ گزشتہ ۴۷ برسوں کے ترقیاتی منصوبوں میں سب سے کم کام مسلم اکثریتی علاقوں میں انجام دیا گیا ہے۔ علی گڑھ، دیوبند اور ٹونک اس کی واضح مثالیں ہیں جن کو دوسرے علاقوں سے کاٹ کر رکھ دیا گیا ہے۔

غیر مسلموں میں جو طبقہ پسماندہ بستیوں میں رہتا ہے وہ زیادہ تر دلتوں کا ہے لیکن مسلمانوں کے مقابلے میں دلتوں کو کہیں زیادہ مراعات حاصل ہیں، کچھ تو اقوام مندرجہ فہرست کے لیے کی جانے والی کوششوں کے ماتحت ان کی آسائش اور ان کے معیارِ زندگی کو بلند کرنے کے لیے خصوصی انتظامات کیے جاتے رہے ہیں اور کچھ اس لیے کہ ان کا ایک بہت بڑا حصہ مکانات کی سہولتوں کے ضمن میں اجارہ داری رکھتا ہے جبکہ مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ غیر مختتم غربت اور عدم تحفظ کا احساس ناگزیر طور پر ان میں ایک خاص قسم کی مایوسی اور فکر کو جنم دے رہا ہے اور وہ عزم وارادہ کی اس دولت سے محروم ہوتے جارہے ہیں جو فرد کی سماج کے استحکام اور تعمیر میں دلچسپی کا سبب بنتی ہے کیونکہ مایوسی اور ناامیدی ہمیشہ چڑچڑے پن اور انتشار کو پیدا کرتی ہے۔ مختلف بیماریوں سے اموات کی کثرت، سامانِ پرورش سے محرومی کے باعث بچوں کی صحت کی بربادی یا موت کے واقعات انسانی ذہنوں کو غیر متوازن کرنے کے بہت بڑے محرکات میں سے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ گندی بستیاں یا علاقے بے چینی اور بدامنی کا مرکز بنے ہوئے ہیں مگر وہاں کی سرگرمیوں کو کسی مذہبی طبقہ کی مخصوص ذہنیت قرار دینے کے یا ان کو غیر سماجی عناصر کا مرکز تصور کرنے کے بجائے ضروری یہ ہے کہ حکمرانوں اور سیاست دانوں کی طرف سے ان کے سدھار اور ان کے ماحول کو بہتر بنانے کی کوشش کی جائے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ کوئی بھی مسلمانوں کے من حیث القوم مسائل حل کرنے پر توجہ نہیں دیتا، نہ اس کی پرواہ کرتا ہے کہ ان کے شب وروز بدل جائیں، اس کے بجائے کوشش یہ ہوتی ہے کہ انھیں قومی دھارے سے دور رکھا جائے۔ مسلمانوں کے بارے میں یہ مفروضہ قائم کرلیا گیا ہے کہ وہ ایک ایسے مخصوص سیاسی عقیدے کے حامل ہیں جو ہماری اجتماعی زندگی اور قومی نقطۂ نظر سے مختلف ہے، وہ اپنے سیاسی طرزِ عمل میں فرقہ پرست ہوتے ہیں اور یہ کہ وہ نہایت جوش وخرش کے ساتھ سیکولر نظریہ کے بجائے فرقہ پرستی کے نعروں کی طرف مائل ہوجاتے ہیں اور یہ کہ ایک گذرے ہوئے ماضی کے چند نظریات ہیں جو انھوں نے چینی کے کھلونوں کی طرح اپنے سامنے سجا رکھے ہیں۔ حالانکہ جائزہ لیا جائے تو ان میں سے ایک بھی الزام درست ثابت نہیں کیا جاسکتا۔

جہاں تک مسلمانوں کی فرقہ پرستی کا سوال ہے تو اس کی تردید کے لیے کیا یہ کافی نہیں کہ ۵۱ سال سے کسی بھی الیکشن میں مسلمانوں نے اجتماعی طور پر کسی فرقہ پرست جماعت کو ووٹ نہیں دیا بلکہ اکثر انھوں نے سیکولر پارٹیوں کی حمایت میں ہی ووٹ دیا ہے اور ۱۹۶۷ء، ۱۹۷۷ء اور ۱۹۹۶ء کی طرح جب ان پر کانگریس مخالف کا جذبہ طاری ہوا تو انھوں نے کانگریس کے مقابلے میں دوسری قومی جماعتوں کو اپنی حمایت سے نوازا اور کبھی بھی وہ معاشرہ کے دوسرے طبقوں یا قومیتوں سے زیادہ کانگریس مخالف ثابت نہیں ہوئے۔ یہ طرزِ عمل انھوں نے اس کے باوجود اختیار کیا کہ ان کی شکایات کبھی رفع نہیں ہوئیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مشترکہ قومی دھارے سے باہر مسلمان ہی نہیں پوری قوم ہے پھر بھی اس کی اصلاح کے بجائے صرف مسلمانوں کو تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے حالانکہ ان کے ساتھ ابھی تک اچھا سلوک نہیں کیا گیا خواہ کسی غیر سیکولر جماعتوں کا ہو یا سیکولر حکومت کا۔

برطانوی معاشرہ میں ناجائز بچوں کی بھتات

برطانوی معاشرے میں ناجائز بچوں کی تعداد مسلسل بڑھ رہی ہے۔ اس حوالے سے ایک تحقیقی رپورٹ میں بلجیم کے ماہر برائے افرادی طاقت ڈاکٹر مارٹن لارموسیو نے انکشاف کیا ہے کہ برطانوی عیسائیوں کے ہر گھر میں ایک ناجائز بچہ پل رہا ہے۔ دوسری طرف معروف برطانوی

۱۹۷۹ء میں پیدا ہونے والے گیارہ فیصد برطانوی بچے بغیر شادی کے پیدا ہوئے تھے۔ ۱۹۸۸ء میں یہ تعداد بڑھ کر ۲۵ فیصد ہوگئی جبکہ ۲۰۱۳ء میں ۴۷ فیصد سے زائد برطانوی بچے ناجائز قرار پائے تھے۔ برطانوی ادارے اعداد وشمار کا دعویٰ ہے کہ سو سال کے دوران برطانوی معاشرے میں تین لاکھ ۳۸ ہزار ۷۰۹ ناجائز بچوں نے جنم لیا۔ ۲۰۱۱ء میں نکاح کرنیوالے جوڑوں کی تعداد کم ہوکر دو لاکھ ۴۱ ہزار رہ گئی۔

اخبار 'ڈیلی ٹیلی گراف' نے ایک رپورٹ کے حوالے سے بتایا ہے کہ ملک میں ناجائز بچوں کی تعداد ۴۷ فیصد سے زائد ہے، جن کی ولدیت کے خانے میں کوئی نام نہیں لکھا جاتا اور ان کی ماؤں نے خود کو سنگل مدر لکھوایا جبکہ ہزاروں بچوں کی ولدیت جھوٹی بھی لکھوائی گئی ہے۔ واضح رہے کہ ڈاکٹر مارٹن کی اس رپورٹ کو 'ایکسٹرا پیر پیٹر نیٹی' (ای پی پی) کا نام دیا گیا ہے۔ اس بارے میں برطانوی روزنامہ 'ڈیلی میل آن لائن' نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ خبر تو درست ہے کہ برطانوی فیصلوں میں خاندانی عرفیت رکھنے والے لاکھوں بچے حقیقت میں ناجائز ہیں، لیکن ان کا تناسب دس میں سے ایک نہیں، بلکہ ۲۵ میں سے ایک ہے۔ حالیہ تحقیق (اپریل ۲۰۱۶ء) میں بلجیم کے محقق ڈاکٹر مارٹن لارموسیو نے ہزاروں برطانوی بچوں کے کروموسومز کا مطالعہ کیا جس کے نتیجہ میں یہ خوفناک حقیقت سامنے

(بقیہ صـ۱۴ پر)

جمعیۃ علماء اترپردیش کے صدر حضرت مولانا متین الحق اسامہ کانپوری رحؒ کی حیات وخدمات پر مشتمل

ہفت روزہ الجمعیۃ دھلی کی خصوصی اشاعت

مولانا متین الحق اسامہ نمبر

جس میں مولانا قاسمی نوراللہ مقدہٗ کے احوالِ زندگی، قومی وملّی خدمات
نیز دینی، علمی اور اصلاحی سرگرمیوں کا احاطہ کیا گیا ہے

الجمعیۃ کی ویب سائٹ پر ملاحظہ فرمائیں

رابطہ: ہفت روزہ الجمعیۃ، مدنی ہال (بیسمینٹ) ۱ بہادر شاہ ظفر مارگ، نئی دہلی ۲

موبائل: 09868676489 — ای میل: aljamiatweekly@gmail.com

ہفت روزہ الجمعیۃ انٹرنیٹ پر بھی دستیاب ہے، لاگ آن کریں: www.aljamiat.in
رابطہ: 9811198820 ای۔میل: aljamiatweekly@gmail.com

ضروری اعلان

آپ براہِ کرم مدتِ خریداری ختم ہوتے ہی زرِ سالانہ ارسال فرمائیں۔ خط وکتابت میں خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔
ادائیگی کے طریقے: (1) بذریعہ منی آرڈر
(2) Paytm یا PhonePe کے ذریعہ
9811198820 پر
ALJAMIAT WEEKLY
(3) آن لائن ادائیگی کیلئے بینک اکاؤنٹ کی تفصیل
A/c. 912010065151263
Axis Bank, Branch: Chitranjan Park, N.D.
IFS Code : UTIB0000430

شرح خریداری

سالانہ	200/-
ششماہی	100/-
فی پرچہ	5/-
پاکستان اور بنگلہ دیش کے لئے	2500/-
دیگر ممالک کے لئے	3000/-

رابطہ: منیجر ہفت روزہ الجمعیۃ مدنی ہال (بیسمینٹ) ۱ بہادر شاہ ظفر مارگ، نئی دہلی ۲
فون: 011-23311455